ماہنامہ المشرق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب المشرقین و رب المغربین

فبای آلاء ربکما تکذبان

۱۹۸۱

ماہنامہ المرشد چکوال

اسرار التنزیل نمبر

جلد ۲	ماہ ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۱ء	شمارہ ۱۰-۱۱-۱۲

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب دامت برکاتہم

مدیر مسئول: حافظ عبدالرزاق ایم۔اے

بدل اشتراک: خاص نمبر ۱۰/- روپے

زرسالانہ: ۳۰ روپے فی کاپی ۳ روپے

سول ایجنٹ

مدنی کتب خانہ گنپت روڈ، لاہور۲

حافظ عبدالرزاق پرنٹر و پبلشر نے باہتمام منہاج الدین اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال سے شائع کیا۔

اداریہ

ماہِ رمضان المبارک نزولِ قرآنِ کریم کی

سالگرہ کا مہینہ ہے شَہرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ

القرآن، اس مبارک تقریب پر ہم اپنے کرم فرما مولانا محمد اکرم صاحب

کے درسِ قرآن مجید کا پہلا مجموعہ جو پارہ اوّل پر مشتمل ہے پیش

کر رہے ہیں، یہ درس کیا ہے؟ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ

لِلذِّکْرِ کی ایک حسین تصویر ہے۔

قارئینِ کرام

اس سے کما حقہٗ مستفید ہوں اور دوسرے

بھائیوں تک یہ پیغام پہنچائیں

مدیر

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر		نمبر شمار
۱۱	دعا مانگنے کا سلیقہ	۱ ۔
۱۱	مخلوق کو احساس ضرورت اور تکمیل ضرورت کی تعلیم کا خدائی انداز	۲ ۔
۱۲	نبوّت ، اثبات ربوبیت کی دلیل ہے	۳ ۔
۱۳	ولی کے کشف میں غلطی کا امکان اور سبب	۴ ۔
۱۵	سائل کی دعا میں صیغۂ جمع کا راز	۵ ۔
۱۶	وسیلہ کی حقیقت	۶ ۔
۱۷	دعا طلب اور عمل کا تعلق	۷ ۔
۲۱	کلام باری کے خالق سے مخلوق تک پہنچنے کے ذرائع	۸ ۔
۲۲	عدالت صحابہ کا ثبوت	۹ ۔
۲۶	ختم نبوّت کی دلیل	۱۰ ۔
۳۰	اجتماعی ذکر کی حکمت	۱۱ ۔
۳۴	منافق کی پہچان	۱۲ ۔
۳۵	فساد کی حقیقت	۱۳ ۔
۴۴	انسان کی فضیلت کی وجہ معرفت باری ہے	۱۴ ۔
۵۲	مع تحتہا الانہار کا مفہوم	۱۵ ۔
۷۶	اصول تجویز اور اصول تفویض	۱۶ ۔
۷۸	ترک عبادت کا سبب	۱۷ ۔

نمبر شمار		صفحہ نمبر
۱۸۔	مصائب کا فلسفہ	۹۱
۱۹۔	مسلمان سے اسلام پر عمل کرانا اہلِ اختیار کی ذمہ داری ہے	۱۰۰
۲۰۔	حیلہ کی قسمیں	۱۰۱
۲۱۔	روحانی مسخ کی صورت	۱۰۲
۲۲۔	توکّل کیا ہے	۱۰۹
۲۳۔	علمائے سوء اور رہبان	۱۱۶
۲۴۔	حقیقت کے جاننے اور ماننے میں فرق	۱۲۷
۲۵۔	دماغ اور دل کی صلاحیتوں میں فرق	۱۳۰
۲۶۔	قرآن کے مصدق ہونے کا مطلب	۱۳۱
۲۷۔	درجۂ احسان کیسے حاصل ہوتا ہے	۱۴۴
۲۸۔	صحابۂ کرام مظہرِ دعائے ابراہیمی ہیں	۱۶۶
۲۹۔	تلاوت قرآن ایک مستقل حکم ہے	۱۶۶
۳۰۔	تزکیہ کے لئے اور معلم کتاب دونوں کی ضرورت ہے	۱۶۸
۳۱۔	صحابہ کا ایمان معیاری ہے	۱۷۷

تعارف

اللہ تعالیٰ کا آخری کلام —— قرآن حکیم

خالق کا اپنے بندوں سے آخری خطاب ہے جو اس نے اپنے ایک برگزیدہ بندے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فرمایا۔ بظاہر یہ ایک کتاب ہے حقیقت میں یہ اللہ تعالےٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جسے کسی ایک نام سے پکارا جا نہیں سکتا۔ اس کے اوصاف شمار میں نہیں آسکتے، عوام کے لئے یہ کتاب وعظ و نصیحت ہے۔ اہل علم کے لئے خزینۂ علوم ہے اہل دانش کے لئے کتاب حکمت ہے، اہل دل کے لئے گنجینۂ اسرار ہے۔ حقائق سے روگردانی کرنے والوں کے لئے براہین قاطعہ اور دلائل باہرہ کا خزانہ ہے اور متلاشیان حق کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ اس کے اوصاف کی نشاندہی فرماتے ہوئے خود خالق نے عجیب اسلوب اختیار فرمائے۔ سب سے پہلا تعارف اس صفت سے کرایا کہ لاریب فیہ یعنی یہ کتاب شکوک و شبہات سے بالاتر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کا اپنا کلام ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ہر آمیزش اور کمی بیشی کے نقص سے محفوظ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس مقصد کے لئے یہ نازل کیا گیا اسے پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ پوری انسانیت کے لئے رہنمائی کی ضمانت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کا یہ وصف ایسی بنیاد ہے کہ اس پر یقین کے بغیر اس کتاب سے استفادہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ اور یہ کوئی نرا دعویٰ نہیں بلکہ اس کے نزول سے لے کر آج تک اس امر کی شہادتیں تاریخ انسانی میں بکھری پڑی ہیں کہ جس فرد نے یا جس جماعت نے اس کتاب کے اس وصف کو تسلیم نہ کیا وہ رہنمائی سے محروم ہی رہی اور ضلال مبین اور ضلال بعید اس کے لئے مقدر ہوگئی

اس کے متصل ہی دوسرا وصف بیان ہوا ھدی للمتقین یعنی یہ کتاب ہر اس شخص کو ہدایت کا رستہ دکھا کر اسے منزل تک پہنچاتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو اور بھلے برے میں تمیز کرنا چاہتا ہو۔ اس کے بعد ایک تیسرا وصف اسی طرح بیان فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون یعنی یہ کتاب ہم نے ہی نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

طرح زندگی بسر کرنے کا خواہشمند ہو۔

اس کتاب کا یہ وصف دراصل اس کا مقصد نزول ہے اس کے باقی تمام اوصاف ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کا کتاب ہدایت ہونا وہ وصف ہے جو مقصد کی حیثیت رکھتا ہے اور ان مذکورہ ذرائع سے اس مقصد تک پہنچنا مطلوب ہے ان اوصاف کا بیان مختلف انداز سے جا بجا ملتا ہے مثلاً

(۱) ھذا کتاب انزلناہ ، مبارک ، مصدق الذی ، بین یدیہ

(۲) تلک آیات الکتٰب الحکیم

(۳) کتاب احکمت ایاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر

(۴) ولم یجعل لہ عوجا

(۵) لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم

(۶) کلا انھا تذکرۃ

(۷) فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ ، مطھرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ ۔

اس کتاب کے اس قسم کے اوصاف کے علاوہ جہاں اس کے مقصدی وصف کا تذکرہ ہوا وہاں اسے بالعموم لام تعلیل کے ساتھ ذکر کیا گیا مثلاً :

لتنذر ام القریٰ ومن حولھا

لتخرج الناس من الظلمات الی النور

اور لیکون للعالمین نذیرا

اہل علم اور اہل دل نے اس کتاب کے ان ہی مختلف اوصاف کی تشریح اور تفصیل میں تفسیریں لکھیں ۔ اہل علم کے نزدیک فن تفسیر کے چند خاص تقاضے ہیں چند مخصوص شرائط ہیں ۔ مثلاً تفسیر لکھتے ہیں حل لغات ، تحلیل صرفی ترکیب نحوی ، علم بدیع اور علم معانی کی روشنی میں نکات ، شان نزول کا بیان ، ناسخ و منسوخ کی وضاحت ، اجمال اور تفصیل مطلق اور مقید کی نشاندہی ۔ آیات سے فقہی مسائل کا استنباط ، علم کلام کی بحثیں ، وغیرہ بے شمار ایسے مسائل ہیں جن پر مفسر قرآن کو قلم اٹھانا پڑتا ہے اور جہاں تک علمی تحقیق کا تقاضا

ہے ایسا کرنا ناگزیر ہوتا ہے

جہاں تک اس کتاب کے مقصدی وصف کا تعلق ہے اس کے لیے علمی نکات اور فنی باریکیوں کی ضرورت نہیں چنانچہ قرآن کریم نے اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ولقد یسرنا القرآن للذکر کہ جسے قرآن سے ہدایت حاصل کرنی ہے کان کھول کے سن لے کہ ہم نے اس غرض کے لیے قرآن کو نہایت آسان بنایا ہے ۔ اس اظہار حقیقت کے ساتھ ہی یہ صلائے عام بھی دیدی کہ فہل من مدکر یعنی ہے کوئی ہدایت کا طالب ؟

حصول ہدایت کی دو صورتیں ہیں اول ہدایت بذریعہ ذہن عقل اور استدلال ۔ یعنی حقیقت کو اس لیے تسلیم کرنا کہ میرا ذہن ، میری عقل اسے تسلیم کرنے کا مشورہ دیتی ہے اور ذہن و عقل نے جو استدلال کا تانا بانا تیار کیا ہے وہ اسی امر کا تقاضا کرتا ہے اس ذریعہ سے ہدایت حاصل کرنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر یہ بڑا کمزور اور ناقابل اعتماد ہے ۔ کمزور اس لیے کہ جس درجہ کا ذہن اور جس سطح کی عقل ہو گی اسی درجے کا ایمان بھی ہو گا اور ناقابل اعتماد اس لیے کہ اگر اس سے بہتر استدلال پیش کر دیا گیا اور وہ پہلے استدلال کے برعکس ہوا تو ایمان زائل ہو گیا عقیدہ بدلنا پڑا ۔

دوسری صورت ہدایت بذریعہ قلب ہے اس صورت میں پہلی اور بنیادی چیز دعوت دہندہ پر اعتماد ہے اور جاننے سے پہلے "ماننے" کا مطالبہ ہوتا ہے ۔ اور یہ اعتماد یا تو عام تجربہ اور مشاہدہ پر قائم ہوتا ہے یا اس وجدانی کیفیت پر مترتب ہوتا ہے جسے محبت کہتے ہیں ہدایت کی یہ صورت فطری اور طبعی معلوم ہوتی ہے ۔ چنانچہ خود قرآن کے نزول کے متعلق ارشاد باری ہے وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک

نزول کتاب کا محل اور مقام قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس سے ظاہر ہے کہ حصول ہدایت کا آلہ اور ذریعہ بھی قلب انسانی ہے ۔ اور ہدایت سے محرومی کی وجہ بھی شقاوت قلبی ہوتی ہے غالباً اسی خطرہ سے آگاہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے ۔

ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا ۔ یعنی جس کے قلب کا تعلق اپنے رب سے کٹ

چکا ہے یا جو قلب اس کی اہمیت سے غفلت کا شکار ہے اس کی بات پہ کان نہ دھرنا ورنہ
اس کی نحوست سے بچنا محال ہے۔ بات گو زبان سے کی جاتی ہے مگر وہ قلب سے ناشی ہوتی
ہے اس لیئے غافل قلب سے غفلت کی نحوست لے کر زبان سے نکلتی ہے اور سننے والے
کے کانوں کے راستے اس کے دل تک پہنچ کر اسے بھی غافل کر دیتی ہے۔

رہی اعتماد کی بات تو نبی کریم نے اپنی معاشرتی زندگی کو اس امر کی شہادت کے طور
پر پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ کہ تمہارے معاشرے
میں عمر کا ایک معتدبہ حصہ یعنی ۴۰ برس گذار چکا ہوں کیا تم مجھے قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔

کامل اور غیر مشروط اعتماد صرف محبت کے جذبے کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے غالباً
اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "تم میں سے کوئی شخص کامل مومن
نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں سب محبوب چیزوں سے بڑھ کر میرے ساتھ
محبت کا جذبہ موجود نہ ہو"

اور اللہ تعالےٰ نے مومن کا وصف بیان فرمایا کہ والذین امنوا اشد حبا للہ
اس ذریعہ سے ہدایت حاصل کرنے اور ایمان کی قوت کے نمونے عہد نبوت میں
کثرت سے ملتے ہیں چنانچہ واقعہ معراج کے وقت رؤسائے قریش نے صدیق اکبرؓ کو از راہ طنز جب
یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے معراج کے متعلق کوئی عقلی دلیل نہیں دی بلکہ صرف اتنا پوچھا
کہ کیا واقعی حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے انہیں بتایا گیا کہ واقعی حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے تو
صدیق اکبرؓ کہنے لگے کہ واقعی اس میں کوئی شک نہیں اگر انہیں ذہن عقل اور استدلال کی راہ
سے یہ دولت ملی ہوتی تو یہاں بھی استدلال کا سہارا لیا جاتا۔

یہ کتاب جو ابھی آپ مطالعہ فرمائیں گے قرآن حکیم کی تفسیر نہیں اور اس کتاب کے
مصنف کوئی روایتی اور مستند عالم بھی نہیں کہ انہیں مفسر کہا جا سکے البتہ مسلسل صحبت
اہل دل سے ان کے قلب کو رموز و اسرار قرآن سے گہری مناسبت پیدا ہو گئی ہے
جو براہ راست خفتہ دلوں کو بیدار کرنے اور غافل دلوں کو ہشیار کرنے اور یاد الہیٰ سے
آشنا دلوں میں محبت الہیٰ کو مستحکم اور استوار کرنے میں ممد ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ جو

عارف لاہوریؒ نے کہا ہے ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

معلوم ہوتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کے پیغام اور قرآن کا مفہوم ان کے قلب پہ وجدان کی صورت میں نازل ہوا - اور انہوں نے اس پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید امانت اپنے اہل تک پہنچ جائے ؏

از دل خیزد بر دل ریزد

اگر اس میں کوئی علمی لغزش یا فنی جھول ہو تو اہل علم سے گزارش ہے کہ اس کی اصلاح فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں -

ایک خاص بات جو اس مجموعہ میں نظر آتی ہے، اس کا بیان بے محل نہ ہوگا۔ مفسرین کرام کا عام طریقہ رہا ہے کہ ہر آیت کا ربط گذشتہ اور آئندہ آیت کے ساتھ بیان کرتے رہے تاکہ قاری کو ایک تسلسل کلام محسوس ہو مگر دیکھا گیا ہے کہ ایسا کرنے میں بعض اوقات بلکہ اکثر مقامات پر یہ احساس ہوتا ہے کہ مفسر کو خاصا تکلف سے کام لینا پڑا ہے، پھر اس تکلف سے دوسرا احساس یہ ہوتا ہے کہ کلام باری میں ربط تلاش کرنے کی یا بات بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ مگر اس مجموعہ میں قاری کو ربط آیات بتانے کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ اس تسلسل سے بات بیان کی گئی ہے کہ قاری کو یہ احساس از خود ہونے لگتا ہے کہ آگے یہ کچھ کہا جانے والا ہے۔ اس پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید امانت اپنے اہل تک پہنچ جائے۔ از دل خیزد بر دل ریزد

اگر اس میں کوئی علمی لغزش یا فنی جھول ہو تو اہل علم سے گزارش ہے کہ اس کی اصلاح فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں۔

عبدالرزاق عفی عنہ

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ
يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ترجمہ:

سورت فاتحہ

سورۃ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں سات آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے۔ جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ جو مالک ہیں روزِ جزا کے۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔ بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا۔ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ نہ رستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا۔ اور نہ اُن لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے۔

اسرار و معارف:

نزول قرآن کے وقت سب سے پہلی مکمل سورت یہی نازل ہوئی اور اللہ کریم نے نوع انسانی کو ایک جامع اور مکمل دعا تعلیم فرمائی ایک ایسی دعا جس میں اللہ کی تعریف اقرار عبودیت کے ساتھ استعانت و امداد کی درخواست اور پھر ہر دو عالم کی بھلائی اور اچھائی کا سوال ہے یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دعا کیلئے یہی طریقہ اختیار کیا جائے پہلے اللہ کی تعریف پھر اپنا اقرار عجز و عدہ بندگی اور پھر اپنی آرزو و تمنا تعوذ و تسمیہ کے بعد انسان سب سے پہلے یہ اقرار کرتا ہے کہ جملہ کمالات اور ساری خوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ حسن و جمال ہو یا جاہ و جلال قوت و طاقت ہو یا علم و ہنر جہاں بھی جس شئے کی جو خوبی بیان ہوگی وہ دراصل تصویر کی وساطت سے سہی تعریف تو مصور ہی کی ہوگی۔ کیونکہ اللہ ہی رب العالمین ہے۔ تمام کائنات کو تمام کمالات عطا کرنے والی اسی کی ذات ہے اسکا نظام ربوبیت اس قدر جامع ہے کہ ساری مخلوق بیک وقت اس طرح مستفید ہو رہی ہے گویا یہ سارا کارخانہ اسی ایک کیلئے کام کر رہا ہے اس نے مخلوق کو نہ صرف وجود عطا فرمایا بلکہ ان کی تعمیر و بقا اور اصلاح کے طور طریقے بھی تعلیم فرمائے اور پھر ساری مخلوق کو اسکی ضروریات کا ادراک بخشا ساتھ ہی تکمیل ضرورت کے اسباب مہیا فرمائے اس کارگہ حیات کو تعمیر ہی اس انداز سے فرمایا کہ جہاں شاہی محلات کو سورج سے روشن کیا وہاں غریب کا جھونپڑا بھی اسی سے منور ہے اور جہاں باغات کے پھل پک رہے ہیں۔ وہاں چیونٹی کے انڈے بھی سینچے جا رہے ہیں یہ ہوا یہ روشنی یہ بارش اور یہ پانی موسم کا تغیر و تبدل اور دن رات کی آمد و رفت بیک وقت ساری مخلوق کو متاثر کرتی سب کی تربیت کرتی سب تک رزق پہنچاتی اور سب کو مستفید کرتی نظر آتی ہے یہ اس کی ربوبیت کا کمال ہے کہ جہاں اشیائے ضرورت مہیا فرمائی ہیں وہاں ہر شئے کو احساس ضرورت بخشا اور تکمیل ضرورت کے طریقوں سے بھی آشنا فرما دیا ہے گائے کا بچھڑا پیدا ہوتے ہی جان لیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کا دودھ ہے اور وہ تھنوں

میں ملے گا فوراً کھڑا ہوتے ہی پیٹ کے نیچے تھن تلاش کرے گا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تھن سے کس طرح دودھ کو چوسنا ہے اسی طرح مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا بھی شروع کر دے گا حتی کہ ایک چیونٹی تک کو علم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے یہی ہوا جو پھولوں کی خوشبو لئے پھرتی ہے چیونٹی تک دانے کی خوشبو بھی پہنچا رہی ہے اور چیونٹی کو اپنی ضرورت اور اس کی تکمیل کی صورت کا اس حد تک علم ہے کہ جو دانہ بل میں لیکر جاتی اسے دو ٹکڑے کر کے رکھتی ہے مبادا زمین کی نمی سے اگ آئے اور اس کی محنت اکارت جائے حتی کہ اگر دھنیا لے کر بل میں رکھے تو اس کے چار ٹکڑے کرتی ہے کیونکہ وہ آدھا بھی اگ آتا ہے۔

یہ سب کیا ہے اس کی ربوبیت کی شان ہے کہ احساس ضرورت اور پھر تکمیل ضرورت کا علم حسب ضرورت ہر صاحب ضرورت کو بخشا۔ قرآن کریم نے ربوبیت جیسی عظیم صفت کو بھی عظمت باری کی دلیل اور اس کے معبود برحق ہونے اور انسان پر عبادت کے ضروری ہونے کی بنیادی دلیل کے طور پر ارشاد فرمایا ہے یا ایھا الناس اعبدوا ربکم اور یہی ربوبیت اثبات نبوت کی دلیل بھی ہے کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ جسم اور روح سے مرکب ہے جہاں اسے بدن اس کی ضروریات اور ان کی تکمیل کے طریقوں کا علم اور اشیا کی ضرورت ہے وہاں اسے روح کی ضروریات کا علم اور ان کی تکمیل کی صورت کا جاننا بھی ضروری ہے بدن کی تعمیر کا علم دماغ کو بخشا اور پھر سارے دماغ یکساں نہیں ہیں بلکہ ہر فن کے صاحب فن سے ہی رجوع کرنا پڑتا ہے اسی طرح روحانی تکمیل کیلئے دل کو چنا اور اس کی تربیت کیلئے انبیاء مبعوث فرمائے جو اس موضوع پر کامل تھے اور اپنے اپنے وقت میں نوع انسانی نے ان سے استفادہ کر کے اپنی روحانی زندگی درست کر لی جو رہ گئے وہ روحانی موت سے دوچار ہوئے جس طرح غذا سے محروم شخص جسمانی موت سے دوچار ہوتا ہے اسی طرح فیض نبوت سے محروم روحانی موت سے ہمکنار ہوتا ہے اور جو رب چیونٹی سے بات کرتا اور بچھڑوں کے دلوں میں بات ڈالتا ہے جو شہد کی مکھی کو پھول تک رسائی کی قوت اور پھول کے رس کو شہد میں ڈھالنے کا طریقہ تعلیم فرماتا ہے کہ یہ اس کی

ربوبیت کے مظاہر میں اگر وہ کسی ہستی کو نبوت عطا فرماتا ہے تو یہ بھی شان ربوبیت ہے کہ روح کی غذا کا سبب پیدا فرماتا ہے اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے یا وحی یا القا و الہام کی نعمت عطا فرماتا ہے تو اس میں کوئی استبعاد نہیں پھر انبیاء کے صحیح اور سچے جانشین اور ان کے متبعین وہ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی ان کے نقش قدم پر نثار کرتے ہیں انہیں بقدر ہمت کوئی قطرہ نصیب ہوتا ہے تو باتباع نبی نبی ہی کے کمال کا پرتو ہوتا ہے اور اسی کو کشف۔ الہام یا القا کہا جاتا ہے نبی پہ جو ظاہر ہوتا ہے وہ اسے سمجھنے میں غلطی نہیں کرتا مگر ولی میں وہ قوت اس درجہ کی نہیں ہوتی کشف تو اسکا بھی برحق ہوتا ہے کہ اعلام من اللہ ہوتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ سمجھنے میں ٹھوکر کھا جائے اسی لئے ضروری ہے کہ ولی کا کشف نبی کے ارشاد سے متصادم نہ ہو اگر ہوا تو ناقابل عمل ہوگا گویا سمجھنے میں خطا ہوئی نیز نبی کا اتباع پوری امت پر فرض جبکہ ولی کا کشف دوسرے کے لئے حجت نہیں ہوتا۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اللہ ہی کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی صفتِ رحمت کا دو ناموں سے بیان ہے جو ہم معنی ہیں الرحمٰن فعلان کے وزن پر ہے جو عموماً جذباتیت سے متعلق اور وقتی صفت ہوتی ہے جیسے غضبان عطشان حیران غصے ہونا پیاسا ہونا پریشان ہونا اوصاف دوامی نہیں ہیں اسی طرح رحمانیت کی صفت کا سبب اس کی ربوبیت ہے چونکہ وہ سارے جہان کا خالق ہے رب ہے اس لئے رحمان بھی ہے یہ اسے زیب نہیں دیتا کہ کسی سے تکمیل حیات کے ذرائع چھین لے سو جب تک یہ جہان قائم ہے۔ اور ہر طرح کی مخلوق اپنی ضروریات اپنی غذا اور بقائے حیات کے لئے ضروری اشیاء حاصل کر رہی ہے اس عموم رحمت کے ساتھ رحمت خاصہ بھی ہے کہ الرحیم ہے یہ اسم فعیل کے وزن پر ہے عربی میں اس وزن پر جو اوصاف بیان ہوتے ہیں وہ دوامی اور ابدی ہوتے ہیں جیسے علیم، حکیم وغیرہ تو ظہور رحیمیت اس قدر وسیع ہے کہ ازلی و ابدی ہے دوامی ہے جس میں نہ کبھی کمی ہوگی نہ انقطاع وقوع میں آئے گا۔ اگر صفت رحمت کو دیکھا جائے تو یوں نظر آتا ہے کہ ربوبیت باوجود اپنی وسعت کے اس میدان کا ایک ذرہ

ہے اور رحمت ہی کا ایک شعبہ ، ساری کائنات کی ہر موضوع پر تربیت علمی وعملی خود تعمیر حیات وتعمیر حیات پر شرف وعزت کی عطا کو حسن وخوبی کی بخشش سب کا اصل رحمت ہے ورنہ نہ کوئی مجبوری تھی ذات باری کو اور نہ کوئی مجبور کرنے والا ۔ جو علوم اللہ نے تکمیل ضرورت کے لئے بخشے یہ بھی مظہر رحیمیت ہیں اور اعلیٰ علم وہ ہے جو انبیاء کے واسطے سے حاصل ہوا اور مکلف مخلوق کیلئے حصول رحیمیت کا سبب بنا ساتھ یہ انتباہ بھی کہا ہے لوگو رحانیت بقائے دنیا تک ہے اس کے صدقے مومن و کافر سب مستفید ہو رہے ہیں ۔ مگر جب یہ دنیا نہ رہے گی جو اس وصف کے ظہور کا مقام ہے تو یہ وصف بھی ظاہر نہ ہوگا ۔ تمہیں چونکہ رہنا ہے اس لئے تمہاری ضرورت ہے کہ تم رحیمیت باری حاصل کرو جو بواسطہ انبیاء نصیب ہوگی اگر اس سے مستغنی رہے اور رحانیت پر خوش رہے تو اس دار فانی کی زندگی کے بعد وہ تو حاصل ہو گی نہیں اور رحیمیت تم نے حاصل نہ کی تو پھر غضب کا شکار ہو جاؤ گے اسی لئے رحمٰن الدنیا اور رحیم الاخرت کہا گیا ہے ۔ یہ رحمت ہی ہے جو سارے جہاں کو نہ صرف تعمیر کرتی ہے بلکہ ایک تناسب ایک حسن اور ایک جمال عطا فرماتی گویا ہر تخریب ایک تعمیری پہلو رکھتا ہے اگرچہ سطحی نظر میں وہ تخریب ہی نظر آئے اور ہم اسے ٹوٹ پھوٹ کا نام دیں مگر ہر غنچے کی فنا میں کلی کی آمد کا اعلان ہے اور ہر کلی کے جاتے پر پھول کا ظہور گویا ایک کاریگر جو خوبصورت بر لبط بنا تا ہے وہ یونہی نغمے بکھیرنے کے قابل نہیں ہوتا بلکہ اس کی تعمیر کے ساتھ کسی درخت کی تخریب بھی وابستہ ہوتی ہے یہ کانٹ چھانٹ جاری رہتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ مفید شے کو باقی رکھتا ہے اور غیر نافع کو اٹھا لیتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ایک پہلو جو واقعی تخریبی ہے وہ خود انسان کی طرف سے ہے جو اپنی نادانی سے اس کائنات کے حسن کو بگاڑ دیتا ہے کہ سارے خاکے کی رنگینی حیات انسانی ہے یہ انسان ہے ۔ جس کی بدولت یہ جہاں حسن آفریں ہے اور انسان کے ہر فعل سے اس تصویر میں ایک رنگ نکھرتا ہے سو جب یہ نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو گویا قدم قدم پر پھول بوتا ہے اور اگر نافرمانی اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس تصویر کے حسن کو بگاڑنے کا سبب بن جاتا ہے وہ نہ صرف خود اپنی ذات پر گناہ کی ذلت لاتا ہے بلکہ بقدر گناہ اس کے گناہ کا اثر پورے

ماحول کو متاثر کرتا ہے اور اس کا یہ فعل کائنات میں فساد اور تباہی لانے میں معاون بنتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہے ولا تفسدوا فی الارض اور یہی نافرمانی اس کے لئے ابدی سعادت سے محرومی اور رحیمیت باری سے بعد کا سبب بھی بنتی ہے۔ مالک یوم الدین انسانی افعال کا محرک ان سے حصول فوائد ونتائج کا جذبہ ہے اور جو اس فعل کا اجر دینے والا ہوگا یقیناً اس کی بنگاہ اہمیت کا مرکز ہوگا۔ اور کوئی انسان بھی نہ چاہے گا کہ اسکی کسی بات پر وہ ہستی اس سے ناراض ہو جائے سو نتائج کا عطا کرنا تو ہر وقت اسی ذات سے متعلق ہے مگر ایک دن ایسا بھی ہے جس دن کوئی متنفس غیر حاضر بھی نہ ہوگا اور کوئی متنفس اپنی عارضی ملکیت اور وقتی بادشاہت کا مدعی بھی نہ ہوگا اور وہ دن آخرت کا، روز جزا ہوگا۔ یعنی صرف اللہ ہی کی ایسی ذات جس کی ملکیت وحکومت کا اقرار ایک روز ساری کائنات بڑے بڑے منکروں سمیت کرے گی یعنی تمام کمالات کا منبع بھی اسی کی ذات ہے ساری کائنات کی پرورش بھی وہی کرتا ہے وقتی نعمتیں ہوں یا ابدی سب اسی کی رحمانیت ورحیمیت کے مظہر ہیں اور وہ ایسا مالک ہے جس کی ملکیت کا اقرار آخر سب کر ہی لیں گے۔ ہے تو ازل سے وہی مگر ایک روز تو سب منکرین کا انکار بھی خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گا تو یہ سب بیان کرنے سے انسان کو ایک خاص قرب اور ایک طرح کی حضوری حاصل ہو گئی دفعتاً اپنے کو اس عظیم ذات کے سامنے پایا تو فوراً غائب سے حاضر کی طرف پلٹا اور عرض کیا اور ہم تو صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں کہ میں نے سارے کارگہ عالم کو دیکھا مگر سب کو محتاج ہی پایا معطی صرف تو ہی ہے سو میں تو صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور میں خود بھی اپنی ذات میں لاشئے محض ہوں اے اللہ مجھے ہر لحہ تیری ہی مدد واستعانت کی ضرورت واحتیاج ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین جب تو ایسا کریم ہے اور ہم اتنے عاجز وبیکس اور پھر تیری بارگاہ میں حاضر بھی ہیں اور تجھ ہی سے مدد کے طالب بھی کہ ہماری جبین نیاز تیری ہی بارگاہ عالی میں سجدہ ریز ہے تو اے اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا اھدنا الصراط المستقیم مخاطب واحد سے یکایک جمع کی طرف پلٹا اکیلا مخاطب تھا کہ ساری کائنات کو وہاں سجدہ ریز پایا جب اقرار عبودیت سے سر زمین پر رکھا وہاں مقربین ومقبولین کے

ہجوم سجدہ ریز پائے پھر اپنے کو ان سے جدا نہ کر سکا اور کہنے لگا اے اللہ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اے اللہ تو ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ اس "ہم" میں صالح اور نیک بندوں سے لے کر شہید، صدیق اور انبیاء تک سب شامل ہیں اور سب بھی عرض گذار ہیں کہ اے اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا اور اس پر قائم رکھ ان کی اس ہم کے صدقے نہ جانے کس قدر خطا کار بھی بخشش و عطا سے سرفراز ہوئے سبحان اللہ کس قدر عجیب دعا تعلیم فرمائی جو کبھی بھی رد ہونے والی نہیں۔ نہ اللہ کی عظمت میں فرق آ سکتا ہے اور نہ سائل کی "ہم" خالی جا سکتی ہے کہ اس "ہم" میں کثرت ان مقربان بارگاہ کی ہے جو ہمہ وقت لطف عمیم کے سزاوار ہیں اور اللہ کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ اتنے جم غفیر کا سوال تو قبول فرمائے اور اس بھیڑ میں سے کسی ایک سائل کو رد کر دے۔ اللہ اللہ دراصل ہماری نماز خواہ اس میں ہمارا سارا خشوع و خضوع بھی شامل ہو اس بارگاہ عالی میں درجہ پانے کی اہلیت و استعداد نہیں رکھتی کہ اس کی عظمت و جلالت اس سے کہیں زیادہ کی مستحق ہے اور حال یہ ہے کہ یہاں سرے سے خشوع ندارد اور پھر حبیب اللہ کے نیک بندوں کے سجدے شہدا کی نمازیں غازیان اسلام کے برستے گولوں میں ادا کئے گئے فرائض بھی پیش ہوں اور ہماری بے جان نمازیں بھی تو کیا ہوگا اور پھر ملائکہ مقربین اور اس سے بڑھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور پھر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں تو اس تقابل میں بیشک ہماری نماز کوئی مقام پیدا نہیں کر سکتی اللہ کریم نے ایسی دعا تعلیم فرمائی کہ بندہ عرض کرتا ہے ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو اب تقابل اٹھ گیا اور انبیاء، صدیقین شہدا اور صالحین کی نمازیں ہماری نماز کی قبولیت کا وسیلہ بن گئیں اور انکی رفاقت اسے بھی باب اجابت تک لے گئی سبحان اللہ ساتھ ہی ساتھ ایک بات اور سمجھ میں آ گئی کہ عظمت باری تو پہلے سے ذہن میں تھی مالک یوم الدین تو پہلے سے جان چکا تھا۔ اب جو تمام مقربین کو بھی سجدہ ریز پایا تو تاکید مزید ہو گئی کہ معطی و منعم صرف ایک ذات ہے۔ باقی تمام کائنات اس کی محتاج تو پکار اٹھا ایاک نستعین کہ اے اللہ ہم سب تیری ہی مدد کے طلب گار ہیں اور اس ہم میں بھی وہی راز پوشیدہ ہے کہ کم از کم انبیاء سے لے کر صالحین تک سب لوگ تو مدد کا وعدہ دیئے گئے ہیں ان کی مدد تو یقیناً ہو گی۔ یہاں سائل نے اپنے

کو بھی ان کے صدقے مدد و استمداد الٰہی سے بہرہ ور کر لیا اور یہ سب تعلیمات چونکہ اعلام من اللہ ہیں اس لئے اسقدر گہرے اور دور رس اثرات مرتب فرماتے ہیں ورنہ انسانی ذہن کی رسائی کہاں ان بلندیوں کو پا سکتی تھی یا ہے حقیقی وسیلہ یا توسل بھی یہی ہے کہ اپنے کو اطاعت و اتباع کا قلاوہ گردن میں ڈال کر نیکوں کے گروہ تک پہنچا ئے۔ شاید ان کے ساتھ ان کے طفیل گوہر مقصود کو پا ئے مگر وا رے محرومی کم بعض سرے سے انکار کئے بیٹھے ہیں اور بعض نے اس کے نام پر بدعات کی طرح ڈال دی ہے اب دیکھئے خود انسان اپنی ان حرکات کے آگے کیسا بند باندھتا ہے کر۔

جب اجابتِ دعا کا وقت آیا تو انسان مزید تعین کرتا ہے اس لئے نہیں کہ معاذ اللہ خدا کو سمجھا رہا ہے بلکہ مخاطب اللہ سے ہے اور سمجھا خود کو رہا ہے کہ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کی جو ترے غضب کا شکار ہوے یا گمراہ ہو گئے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی کے سامنے مزیدار دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھی ہو اور دوسرا زہر ہلاہل سے پر رکھا ہو اب وہ شخص زندگی کا طالب بھی ہو تو یہ دعا کرتا ہوا کہ اللہ مجھے زندگی دے کبھی زہر نہیں پیئے گا کہ عمل قول سے زیادہ موثر ہوتا ہے اس نے عملاً تو خودکشی کی اور زبانی دعوے طلب حیات کا کرتا رہا۔ ہاں اگر وہ طالب حیات ہے تو دودھ اٹھائے گا اور کہے گا اللہ میں زہر کے قریب نہیں جاتا تو مجھے اس سے محفوظ رکھ اور دودھ میں میرے لئے برکت و صحت عطا فرما یہ قول و عمل کی مطابقت ہو گی یہاں یہی حال ہے کہ اے اللہ مجھے اس راہ پر چلا جو انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین کی ہے تو گویا اپنے سے بھی یہ کہہ رہا ہے کہ اب مجھے وہ کردار اپنانا ہو گا جو ان متذکرہ ہستیوں کا تھا گو کہ میں عمل اپنی حیثیت کے مطابق کر پاؤں صالحین شہدا اور صدیقین انبیاء سے مستفید ہوتے ہیں اور انبیاء براہ راست ذات باری سے ہو نیز ایسی راہ ہے کہ انسان اپنا تعلق اللہ سے قائم کرے اور وہ تعلق دل کا ہے کہ حاکم تو دل ہی ہے اور بدن اس کا ملک ہے اور اس کے حکم کے مطابق کام کرتا ہے اور دل میں سنت کی محبت ذکر الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اس کو شکار کرنے کا تیر یہی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے کم و بیش آٹھ صد سے زیادہ آیات میں کہیں بالواسطہ

اور کہیں براہ راست ذکر الٰہی کا حکم دیا ہے اور انبیاء علماء کا راستہ بھی یہی ہے اور یہی تصوف بھی ہے کہ دل منور ہو اور ہر کام ہر عبادت نور الٰہی سے مزین ہو۔ سو اگر دل اس راہ میں ساتھ نہ ہو تو یہ محض زبانی دعوے ہے جس کا کیا اعتبار و نیز مغضوب اور ضالین دو طرح کی اقسام ہیں کفر کی پہلے لوگ وہ ہیں جو قولاً و فعلاً انبیاء کی مخالفت پر اتر آئے اور ضالین وہ لوگ ہیں جو قولاً تو اپنے کو انبیاء کا مطیع کہتے ہیں مگر نظریاتی اور عملی دنیا میں ان کے خلاف نظر آتے ہیں طالب کے لئے ضروری ہے کہ اس تعین کو مدنظر رکھ کر عملی زندگی میں قدم رکھے یہ نہ ہو کہ زہر پی کر زندگی کی دعا کرے یعنی چنگ درباب کے سروں پر سر دھن رہا ہو اور امید رکھتا ہو کہ آخرت سنور رہی ہے اور حیات ابدی کا سامان ہو رہا ہے۔ یہاں اس کا مقام مسجد اور طریقہ اتباع سنت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ کا ہونا فرمایا ہے تو آئیے دیکھیں کہ وہ کن خصلتوں کی وجہ سے مغضوب ہوئے۔ انبیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام کی کھلی مخالفت اور ان کا نہ صرف منکر بلکہ اشد مخالف ہونے کی وجہ سے انھوں نے زور و قوت سے اپنی ایجاد کردہ خرافات کو رائج کرنا چاہا اور ساتھ ہی ساتھ ساری قوت انبیاء کی تعلیمات کو مٹانے پر لگاری سو آج کا ایسا مفکر جو تعلیمات دینی کو عبث بتاتا ہے۔ حج کو فضول سفر اور قربانی کو مال کا ضیاع جانتا ہے اور اس کے بدلے آج کی غیر مہذب تہذیب کا احیاء چاہتا ہے اپنے کردار میں ان سے اشد ہے اور دوسری طرف وہ جہلاء ہیں جو دعوے تو محبت کا کرتے ہیں مگر اظہار محبت کے ڈھنگ خود تجویز کرتے ہیں جو سراسر خلاف سنت اور بدعات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ بیچارے یہ نہیں جان سکے کہ اس بارگاہ میں عشق و محبت بھی حدود و قیود تو نہیں توڑ سکتے اور اظہار محبت کا طریقہ صرف اتباع سنت ہے اور بس سو اللہ نے ان سب امراض کا شافی علاج اسی دعا کو مقرر فرمایا ہے اور یہ اس قدر ضروری ہے اور انسانی زندگی میں اسکی اتنی زیادہ ضرورت ہے کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں باوضو دست بستہ اس کا عرض کرنا ضروری ٹھہرا اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب فرما۔ آمین!

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَتَانِ وَسِتٌّ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّاَرْبَعُوْنَ رُکُوْعًا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○
الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ○
اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○
اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ
لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ
وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○

ترجمہ:

سورت بقرہ

سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں دوسو چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

الٓمٓ - یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔ وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر۔ اور قائم کرتے رکھتے ہیں۔ نماز کو اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں۔ اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی

طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔ بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔
بند لگا دیا ہے اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے سزا بڑی ہے

اسرار و معارف:

یہ سورۃ باعتبار نزول کے مدنی ہے اور بعض آیات و احکام نزول قرآن کے بالکل آخری دور کے ہیں۔ مگر بلحاظ ترتیب پہلی سورۃ ہے اور سورۃ فاتحہ میں جو دعا ہدایت اور صراط المستقیم کے لئے کی گئی تھی اس کا جواب ہی قرآن کریم ہے جو اسی سورۃ سے شروع ہوتا ہے چونکہ مدینہ منورہ کی زندگی میں مکہ مکرمہ کی نسبت ایک بنیادی فرق یہ بھی تھا کہ وہاں مخاطب مشرکین و کفار تھے مگر یہاں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے کو مسلمان اور اللہ کا مقرب جانتے تھے اور خود کو موسےٰ علیہ السلام کا حقیقی پیروکار اور حقیقت یہ تھی کہ امتداد زمانہ سے انہوں نے تعلیمات موسوی کو نہ صرف فراموش کر دیا تھا۔ بلکہ کتب الٰہی کو تحریف سے بھر دیا تھا اور عبادات کی جگہ رسومات نے اور ایمانیات کی جگہ خرافات نے لے لی تھی۔ بایں ہمہ اپنے حق پر ہونے کا دعوےٰ بھی تھا سو قرآن کریم نے سب سے پہلے ایمان اور کفر کو واضح کر دیا۔ لہٰذا سب سے پہلی بات جو اس کتاب کے بارے ارشاد ہوئی اور جو ایمان کی بنیاد ہے وہ یہ ہے: الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

الٓمٓ حروف مقطعات ہیں جو اکثر مذکور ہوتے ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور معانی میں الجھنا غیر ضروری "انہا سرا بین اللہ و رسولہ" یہ ایسی کتاب ہے جس میں ادنیٰ درجے کے شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ یعنی اس کتاب سے جو جواب دعا ہے استفادہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ایسے مخاطب تو اس کے کسی مضمون یا کسی خبر جو گذشتہ یا آئندہ کے بارے ہو یا کسی بھی بیان میں ادنیٰ سا شبہ بھی نہ رکھے کہ واقعتاً کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اکثر جو کتابیں ایسے مضامین پر مشتمل ہوں جو ماورالطبیعاتی یا ایسے حقائق پر مبنی ہوں جو حواس کے ادراک سے بالاتر ہوں تو خود ان کے مصنفین کو بھی یقین کامل حاصل نہیں ہوتا کہ ساری بات کی بنیاد

گمان ہوتی ہے مگر اس کتاب کا نازل کرنے والا اللہ ہے جس کا علم قدیم ہے ازلی و ابدی ہے کامل و مکمل ہے سو اس کی بیان کردہ حقیقتیں شک و شبہ کی رسائی سے بہت بالا ہیں۔ پھر اس رفع شک کیلئے اللہ کریم نے ان تمام واسطوں اور ذریعوں کی صداقت و امانت کی گواہی دی ہے جو انسانوں تک اس کے پہنچنے کا سبب ہیں مثلاً سب سے پہلا واسطہ اور سبب وہ فرشتہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کے پہنچانے کا ذریعہ ہے اللہ کریم نے فرمایا ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین کہ وہ بہت طاقتور۔ اللہ کے نزدیک بہت معزز اور تمام فرشتوں کا سردار اور بہت امانت دار ہے ایسا طاقتور کہ کوئی بھی اپنی طاقت سے اس سے وحی چھین نہیں سکتا یا جبراً اس کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ بات میں کسی طرح کی آمیزش کرے اور اگرچہ فرشتے نوری مخلوق ہیں مگر ان میں بھی عام و خاص تو ضرور ہیں تو یہ کوئی عام سا فرشتہ بھی نہیں بلکہ مطاع ہے ایسا فرشتہ جس کی سارے فرشتے بھی اطاعت کرتے ہیں گویا فرشتوں کا سردار اور عند اللہ بہت معزز اور بزرگی کا حامل ہے پھر ایسا امانتدار کہ جس کی دیانت و امانت پر اللہ خود گواہ ہے یعنی اللہ کی کتاب کو اللہ کے رسول تک پہنچانے کا سبب ایک ایسا فرشتہ ہے جو انتہائی قوی معزز اور امین ہے دوسرا واسطہ اللہ سے مخلوق تک اللہ کا رسول ہے جو صدق مجسم ہے صلی اللہ علیہ وسلم جس کی صداقت پہ نہ صرف قرآن گواہ ہے بلکہ جس کی امانت پر اس کے بدترین دشمن یعنی مشرکین مکہ بھی گواہ ہیں جو اسے صادق و امین کے نام سے پکارتے ہیں اور جس کی بے داغ زندگی اس کی نبوت پر بہت بڑی شہادت ہے جہاں معجزات قاہرہ اور دلائل باہرہ اس کی نبوت کا ثبوت ہیں وہاں اس کی قبل بعثت کی زندگی بھی اتنی طیب و طاہر اور پاک و صاف ہے کہ کبھی کسی بھی طرح کا جھوٹ یا غلط بیانی نہیں پائی جا سکتی بلکہ اس حیات مبارکہ کو سب دلائل نبوت پر ایک تفوق حاصل ہے اور حضور فرماتے ہیں لبثت فیکم عمراً من قبلہ یعنی میں نے تمہارے درمیان ایک حیات بسر کی ہے کیا تم مجھ پر غلط بیانی کا الزام بھی لگا سکتے ہو حتیٰ کہ اس حیات طیبہ کی اللہ نے قسم کھائی ہے ولعمرک یعنی تیری زندگی کی قسم تیری زندگی گواہ ہے سبحان اللہ اور فرمایا وانک لعلی

خلق عظیم تیرے اخلاق ان بلندیوں کو چھو رہے ہیں جو بشریت کی رسائی کی حد ہے تو گویا خدا سچا ہے اس کا پیغام لانے والا فرشتہ شک سے بالاتر اور اس کا رسول صادق و مصدوق یہ ساری بنیاد راستی سچائی اور حق ہے لاریب فیہ ہے مگر کیا کیا جائے کہ ساری مخلوق کو یہ واسطہ بھی براہ راست نصیب نہیں بلکہ رسول اللہ اور امت کے درمیان ایک پورے طبقہ کا واسطہ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست کلام باری کو سنا سمجھا سیکھا اور ساری خدائی تک پہنچایا۔ اگر خدانخواستہ یہ واسطہ اور ذریعہ ہی مجروح قرار پائے تو پھر بھی لاریب فیہ ثابت نہ ہو سکے گا نیز فرشتہ اور رسول پر کسی کو حملہ کرنے کی جرات کم ہوگی مگر صحابہ چونکہ وہ درجہ معصومیت نہیں رکھتے تو معترضین کو یہاں حملہ کرنا سب سے زیادہ آسان ہوگا اور اگر کوئی اعتراض نہ بھی کرے مگر واقعتاً وہ لوگ غلط بیانی کر جائیں تو کیا ہو۔ یہی کہ دین کی ساری عمارت مشکوک قرار پائے تو اللہ پاک نے سب سے زیادہ احوال ان حضرات کے ارشاد فرمائے قرآن کریم کو جگہ جگہ ان کی مدح سے مزین فرمایا یہاں تک کہ ان کا ایمان مثالی ایمان فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا اور ان کے قلوب مثالی قلوب یعنی اولئک الذین امتحن اللہ قلوبهم للتقوی اور ان کی صداقت مثالی صداقت یعنی اولئک هم الصادقون اور ان کی زندگی قابل اتباع بلکہ واجب الاتباع قرار دے دی والذین اتبعوهم باحسان یہ نہ صرف ان کے حالات کا مشاہدہ قرار دیا بلکہ فرمایا میرے علم ازلی میں یہ بات موجود تھی اور میں نے ان کی پیدائش سے پیشتر تورات وانجیل میں ان کے اوصاف ارشاد فرما دیئے تھے کہ یہ میری مثالی مخلوق ہوگی اور انبیاء کے بعد کوئی ان کا مثل نہ چشم فلک ان سے پہلے پائے گی نہ بعد دیکھ سکے گی اور واقعی یہ ضروری تھا کہ قیامت تک باقی رہنے والے دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اقوام عالم بلکہ ساری انسانیت کو پہنچانے والے لوگ ایسے ہی مثالی کردار کے حامل ہوتے۔ جن کی ہر کوشش دین کے لئے اور ہر محنت دین کی خاطر ہو اور حق تو یہ ہے کہ نہ صرف مکہ و مدینہ منورہ کی زندگی میں نہ صرف روم وایران کی جنگوں نہ صرف قیصر و کسریٰ کے مقابلے میں صحابہ نے دین کی حفاظت کا حق ادا فرمایا بلکہ آج بھی ان ہی کی ذوات مقدسہ اس بارگاہ کی پہرہ دار ہیں اور آج بھی اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو دین مخلوق

تک پہنچ ہی نہیں سکتا وہ لسان نبوت ہیں ترجمان نبوت ہیں انہوں نے قرآن کو براہ راست حضور سے سنا سیکھا سمجھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس پر عمل کر کے اپنے عمل کی صحت کی سند حاصل کی۔ صدیاں بیت گئیں کفر کے ظلمت کدے سے اٹھنے والی ہر لہر ان ہی سے جا ٹکرائی مگر ہمیشہ کی طرح اپنا سر پاش پاش لے کر پھر انہیں اندھیروں میں گم ہو گئی بلکہ بعض نادان دوستوں نے بھی ان مقدس ہستیوں پر مقدمہ چلانا چاہا ذرا غور تو فرمائیں کہ طبری اور کلبی گواہ ہیں صحابہ معاذ اللہ ملزم اور آج کے محققین منصف سبحان اللہ، پنجابی میں ایک مثال ہے، "ذات دی کوڑ کرلی شہتیراں نوں جپھے" مگر اس سب کے باوجود ان کی شان ویسی کی ویسی بے داغ ہے کہ خود قرآن کریم کی لازوال شہادتیں کسی کا کچھ بس نہیں چلنے دیتی جب یہاں تک بات درست ہو گئی تو اب بے شک ثابت ہوا لاریب فیہ۔ عظمتِ صحابیت پر یہ لاریب گواہ ہے اور اس بات کا واضح ثبوت کہ مقام صحابیت بجائے خود ایک خصوصیت کی حامل ہے جو بجز صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب نہیں ہو سکتی اور یہ کہنا کہ الصحابۃ کلھم عدول کا کلیہ صرف احکام دین پہنچانے کی حد تک درست ہے ذاتی زندگی میں ان کا صالح ہونا اس سے ثابت نہیں یہ ایسی بات ہے جو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی کہ ایک شخص بیک وقت بدکار بھی ہو اور راست باز بھی پھر راست باز بھی ایسا کہ اللہ کا آخری کلام اللہ کی مخلوق تک پہنچانے کا ذمہ دار قرار پائے معترضین کو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی حکایت بطور ثبوت مل گئی مگر کاش اسے صحابہ پر تنقید کی بجائے ان کی مثالی توبہ کے حوالے سے مدح صحابہ میں بیان کیا جاتا جو اس کا اصل مقام تھا۔ سو دین اور حقانیت دین کے زندہ ثبوت یہی معزز مقدس بزرگ ہستیاں ہیں

ھُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

یعنی یہ رہبری کرتا ہے ان لوگوں کی جو متقی ہوں۔ ہدایت رہنمائی کے معنوں میں تو ساری انسانیت کیلئے ہے دعوت الی الحق تو سب کے لئے ہے مگر رہبری صرف ایسے لوگوں کے لئے جو اپنے میں اس کے ساتھ چلنے کی استطاعت پیدا کر لیں یہ قوت ہے تقویٰ۔ جس کا اردو ترجمہ "ڈر" لکھا ہوتا ہے مگر یہ لفظ یہاں اس کی مراد کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس کا اصل مقصد ایک خاص ڈر ہے جو کسی محبوب ہستی کی ناراضگی کا ڈر ہو۔ جو کسی کے

روٹھ جانے کا اندیشہ ہو جو ہر حال کسی پہ نثار ہونے کی تمنا ہو یہ وہ جذبہ ہے جو تمام خواہشات اور ارادوں کو تمام آراء اور مشوروں کو صرف اس وجہ سے روک دے کہ ایسا کرنے سے میرا رب مجھ سے خفا نہ ہو جائے اور اگر بمقتضائے بشریت غلطی صادر ہو بھی جائے تو احساس گناہ دل میں کانٹے کی طرح چبھتا اور توبہ پر مجبور کردیتا ہو یہ تقویٰ ہے ولم یصروا علی ما فعلوا حصول تقویٰ کے لئے کون سا راستہ ہے اور متقیوں میں کیا اوصاف پائے جاتے ہیں۔ الذین یومنون بالغیب سب سے پہلی بات ایمان بالغیب ہے کہ ایسے لوگ جو ان تمام باتوں پر جو حواس انسانی کی رسائی سے باہر ہیں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے بتانے سے ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیب خود ذات باری ہے جس کی قدرت اس کی تخلیق سے نوہیدا ہے مگر جو نہ نظر آتا ہے نہ جس کی کوئی مثال بیان کی جاسکتی ہے پھر تمام حقائق اخرویہ دوزخ وجنت برزخ عذاب و ثواب قبر سوال وجواب قبر حشر ونشر فرشتے لوح محفوظ عرض ہر وہ شے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے مگر حواس انسانی مادی کے ادراک سے بالاتر ہے اسے صدق دل سے مانتے ہیں اور یہ ماننا صرف اعتماد علی الرسول پر منحصر ہے ورنہ کوئی حیلہ عقلی وہاں تک رسائی نہیں رکھتا آج کے دور میں چونکہ اس اعتماد میں بہت کمی آگئی ہے ایک طویل دور درمیان میں حائل ہے اور بقول دخل الزمان بنا وفرق بیننا - ان الزمان مفرق الاحباب! زمانہ ہمارے درمیان درآیا اور ہمیں جدا کردیا۔ بیشک زمانہ دوستوں کو جدا کرنے والا ہے اس درازی مدت نے اور نئی روشنی کے اندھیروں نے آج کے مسلمان سے وہ درد چھین لیا ہے جو قرب نبوی صلعم سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور بغیر کسی عقلی دلیل کے سب سے بڑی دلیل پہ اعتبار کرتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرما دینا سب سے بڑا ثبوت ہے اور بس اس ساری حقیقت پر ایمان انسان کو مجبور کردیتا ہے کہ عملی زندگی کو اس روش پر ڈھالے جو قرب الٰہی کا سبب ہو جس کا سب سے پہلا زینہ نماز ہے۔

ویقیمون الصلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرتے ہیں اقامت صلوٰۃ نہ صرف نماز کا پڑھنا

ہی نہیں بلکہ نماز کا ایک خاص اہتمام کرنا ہے وقتِ جماعت مسجد کی حاضری کا احساس ایک فکر جو ارکان وضو سے لیکر ارکان صلوٰۃ تک کارفرما ہو۔ اور پھر نہ صرف نماز ادا کرتا ہو بلکہ حقیقتاً تو اقامت صلوٰۃ ہے کہ جہاں جہاں سے گذرتا جائے وہاں کے لوگوں کو بھی نمازی بناتا چلا جائے* تب لطف ہے نماز قائم کرنے کا مگر یہ ما و شما کا مقام نہیں تو کم از کم اپنی نماز کو صحیح وقت پر اور درست طریقے سے ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔ و مما رزقنٰھم ینفقون

ایمان باللہ اور حضوری بارگاہ الٰہی کے اس اثر کو دیکھو کہ جن چیزوں پہ کافر جان دیتے ہیں وہ ان سب چیزوں کو اللہ کے حکم پر نثار کرتا ہے اگرچہ انفاق کا ترجمہ اداءِ زکوٰۃ اور صدقات کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تو فرائض و واجبات کی ہی بات نہیں بلکہ عملی زندگی کے معاشی پہلو پہ بات ہو رہی ہے یہ صرف معاشیات ہی ہیں جو انسانی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہیں۔ جو چوری چکاری سود و رشوت کا سبب ہیں۔ جن کی اصلاح تمام مکاتب کے ماہرین چاہتے ہیں بلکہ ایک تمدن ہے قرآن کریم نے اسکی اصلاح کا جو طریقہ اختیار فرمایا ہے وہ ان سب سے الگ ہے یعنی وہ خرچ اللہ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جس شخص کو اللہ کے قانون کے مطابق خرچ کرنا ہوگا۔ اسے غلط راستے سے کمانے کی کیا ضرورت ہے پھر یہاں تو بات سیدھی سی ہے کہ مما رزقنٰھم یعنی اس رزق میں سے جو ہم انہیں دیتے ہیں کہ جب دینے والا اللہ ہے تو حصول زر کے لئے ناجائز ذرائع کی کیا ضرورت ظاہر ہے کہ صرف انسانی نقطہ نظر کا فرق ہے ورنہ جب رزق اللہ کی طرف سے ہے تو پھر یقیناً وہی ملے گا۔ جو مقدر ہے چاہیئے چوری کرے اور چاہے تو مزدوری کرے اور پھر انسان کو تمام چیزیں اللہ کی طرف سے بطور رزق ہی ملی ہیں جسم و جان عقل و خرد قوت و طاقت علم و ہنر غرض ہر کمال اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا مصرف اللہ کی راہ میں اور اللہ کی رضا کے لئے ہے یہ صرف حکایت نہیں بلکہ تاریخ عالم اس مقدس معاشرے کی گواہ ہے جو اس طرز پر تعمیر ہوا اور جس کے آثار اب بھی باقی ہیں جو انشاء اللہ تا قیامت رہیں گے۔ اسی میں تصوف کیلئے بھی حکم ملتا ہے کہ جس قدر چیزیں اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں ان سب میں قیمتی دولت ہے اسے چھپا کر نہ رکھے بلکہ اللہ کی مخلوق تک پہنچائے ایک مسلمان جس طرح حصول رزق کیلئے حلال

حرام کا مکلف ہے اسی طرح خرچ کرنے کے معاملے میں بھی اسکی کوئی پائی مرضیات باری کے خلاف نہ خرچ ہو ——— اور یہی وہ سنہری اصول ہے جسے سوائے اسلام کے کسی نے بیان نہیں کیا۔ حالانکہ یہ سب سے موثر ہے کہ جب اخراجات محدود و مقرر ہوں گے تو بے حد آمدنی کی خواہش بھی نہ ابھرے گی اور یہ سب اس وقت ہوگا کہ انسان کلی طور پر اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کرے۔ والذین یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك یعنی جو آپ پر نازل ہوا اس سب کو صدق دل سے ماننے اور جو کلام الٰہی آپ سے قبل کے تمام انبیاء پر نازل ہوا اس سب کو اللہ کا کلام مانتا ہو۔ اگرچہ عمل صرف اس آخری کلام پر ہوگا مگر ایمان تمام ارشادات باری پر ضروری ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ کا کلام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں کوئی بات اللہ کی طرف سے نازل ہوئی اس کا منکر کافر ہوگا خواہ وہ بات بھی اس تک نہ پہنچی ہو جیسے کوئی کہدے کہ میں حضرت ابراہیم پر نازل ہونے والے صحائف کو نہیں مانتا اگرچہ اس کو یہ علم ہی نہ ہو کہ ان میں بات کیا ارشاد ہوئی تھی۔ وہ مومن نہ رہے گا۔ تو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئی نبوت یا نزول کلام کا امکان ہوتا تو پہلے نازل ہونے والے کلام کی نسبت اس کے بارے بہت کچھ ارشاد ہوتا کہ لوگوں کو وہ حالات پیش آنے والے تھے اور ان کا منکر بھی کفر کی زد سے بچ نہ سکتا تھا مگر یہاں صرف من قبلك پر اکتفا اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور نزول کلام تمام ہو گئے اگر عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو مومن ان پر پہلے سے ایمان رکھتے ہیں۔ مگر کوئی نیا نبی اور نیا کلام آنے کا کوئی امکان نہیں۔ جن لوگوں نے ایسے دعاوی کئے ہیں انہوں نے محض ہوا میں قلعے بنانے کی ناکام کوشش کی ہے وبالآخرة هم یوقنون اور آخرت کے ساتھ پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اگرچہ آخرت بھی ایمان بالغیب ہی کا ایک رکن ہے مگر ایسا عظیم رکن ہے کہ جس پر ساری انسانی زندگی کی تعمیر کی بنیاد ہے اس پر بہت پختہ یقین کی ضرورت ہے ایک ایسا یقین جو قدم کو اٹھنے سے پہلے تھام لے اور یہ سوچنے پر مجبور کرے کہ اس کا اخروی نتیجہ کیا ہوگا اب اسے اس کیا ہوگا کا جواب بھی اور پھر کیا کروں؟

کا جواب بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل سکے گا۔ چنانچہ اس کی زندگی سنت کے رنگ میں ڈھلتی چلی جائے گی والا خلا۔ یہاں یومنون کی جگہ یوقنون اسی بات کو واضح کر رہا ہے اور دور حاضرہ کی بداعمالی کا بنیادی سبب اسی یقین کی کمی ہے یقین کامل نام ہے دل کی تصدیق کا۔ دل کے مان جانے اور دل کے اعتبار کرنے کا۔ سو جن لوگوں کو اوصاف بالغیب ہیں۔ اولیک علی ھدیٰ من ربھم واولٰئک ھم المفلحون (ترجمہ) یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہیں جو اس نے اپنی شان ربوبیت سے بتایا ہے کہ اسکی ربوبیت کا تقاضا تھا جس طرح بدن کی ضرورتوں کا احساس اور تکمیل کے طریقے پر ذی روح کو تعلیم فرما دیتے اسی طرح روح انسانی کی زندگی اور آرام کیلئے بھی طرق ارشاد فرما دیئے۔ جن لوگوں نے انہیں اختیار فرمایا۔ وہی لوگ ہیں جو حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوئے دنیا کا ہر انسان ہر کام میں فلاح اور کامیابی کیلئے کوشاں ہے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ کامیاب ہو مگر لوگوں نے کامیابی و ناکامی کے معیار اپنی طرف سے مقرر کر رکھے ہیں جو کسی طور درست قرار نہیں دیئے جا سکتے حقیقی معیار وہ ہے جو اس کائنات کے خالق نے ارشاد فرمایا ہے اور جس کی تعلیم حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہر دور میں انسانی معاشرے کی رہنمائی کرتی رہی اور بالآخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر یہ سلسلہ تمام ہوا اگر آپ کی بعثت کے بعد بھی کسی کو ایمان نصیب نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ قبول ایمان کی استعداد ہی نہیں رکھتا۔ ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون

یعنی جو لوگ آپ کی تعلیمات خود آپ کی زبان حق ترجمان سے سن کر بھی ایمان نہیں لاتے تو وہ ایمان لا ہی نہیں سکتے کہ نہ اس سے بڑھ کر کوئی نبی ہے اور نہ کلام۔ اس بات کو جاننے کیلئے یوں غور کریں کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں اور نہ اکیلے روح کا۔ بلکہ جسم و جان ملکر انسان کہلاتے ہیں۔ جسم کی ضروریات ہیں یہ بے شمار چیزوں کا محتاج ہے جن میں لباس اور غذا سب سے زیادہ ضروری اور اس کی بقا و تعمیر کا سبب ہیں لیکن اس سے زیادہ ضروری اس کی صحت دوا علاج و معالجہ ہے اگر صحت درست نہ ہو تو نہ

غذا کام کرتی ہے اور نہ لباس خوشی دیتا ہے یہاں دو چیزیں ہیں کہ غذا ہر جگہ سے اور ہر کسی سے فراہم ہو سکتی ہے مگر دوا اس طرح نہیں یہ دینے والے لوگ مخصوص ہوتے ہیں جو ہمارے جسم کو ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں اس کی بیماری کو بیماری کے سبب کو اور علاج کو جانتے ہیں ہم ہمیشہ ان سے رجوع کرتے ہیں۔ جسم مادی ہے اس کی غذا بھی مادی ہے اور دوا بھی مادہ سے آتی ہے پھر اس کا معالج ہر وہ شخص بن سکتا ہے جو اس فن کو حاصل کرے خواہ نیک ہو یا بد مومن ہو یا کافر مرد ہو یا عورت۔ بات فن کو حاصل کرنے کی ہے مگر روح امر باری سے اور بہت لطیف شے ہے حتیٰ کہ فرشتے سے بھی لطیف تر ضروریات اسکی بھی اتنی اور اسی طرح کی ہیں جیسی بدن کی مگر وہ مادی نہیں بلکہ لطیف ہیں۔ پھر اس کا معالج ہر کوئی نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ ایسا قیمتی فن ہے جس کے لئے افراد ازل سے چنے گئے بلکہ تخلیق ہی خصوصی طور پر کئے گئے ہر کوئی نہیں بن سکتا۔ کوئی کتنی بھی محنت کرے اس کمال کو نہیں پا سکتا ان کو اصطلاح شریعت میں نبی کہا گیا ہے پھر یہ حضرات بھی اپنی طرف سے کچھ تجویز نہیں کرتے بلکہ اس کی غذا اس کی دوا خود اللہ مہیا کرتا ہے نبی میں وہ قوت ہوتی ہے کہ براہ راست خطاب باری سے مستفیض ہوتا ہے اور دوسری مخلوق اس کی وساطت سے۔

یہ اتنا اہم کام ہے کہ جو چاہے نبی نہیں بن سکتا بلکہ اللہ نے جن کو بنایا انہیں کو بنایا پھر انہوں نے مخلوق تک یہ بات پہنچائی کہ جیسے گندم بدن کی بنیادی غذا ہے اللہ کا ذکر روح کی بنیادی غذا ہے جیسے کھانے کے اوقات اور اس کے طریقے مقرر ہیں اسی طرح ذکر و عبادت کے اوقات اور اس کے طریقے ہیں جس طرح جسمانی صحت کے لئے دوا ہے اسی طرح روح کے لئے توبہ استغفار ہے جس طرح بعض چیزوں کے کھانے سے پرہیز جسمانی صحت کی ضرورت ہے اسی طرح بعض افعال سے پرہیز روحانی صحت کی ضرورت ہے یہ سب چیزیں اسی طرح ضروری ہیں جیسے ہم جسمانی ضروریات کو ضروری جانتے ہیں پھر جس قدر انبیاء دنیا میں تشریف لائے ان سے آخر وہ ہستی آئی جو سب کی سردار اور ساری کائنات کیلئے اللہ کی رحمت ہے جیسے کوئی کہے کہ رات ہے اور مجھے دکھائی نہیں دیتا تو چراغ روشن کریں گے اگر پھر بھی کچھ نہیں دکھتا تو بجلی وغیرہ کی روشنی

رہیں گے پھر بھی کچھ نظر نہ آیا تو سورج کا انتظار اگر سورج طلوع ہونے کے بعد بھی اسے کچھ نظر نہ آئے تو پھر اس کی قوت بنیائی ضائع ہوگئی اور وہ اندھا ہوگیا بالکل اسی طرح بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جو کافر رہا وہ لاعلاج ہوا۔ غور کریں کہ جسمانی حسن حضور کا کائنات میں بے مثل باتوں میں وہ شیرینی جو صرف آپ کا خاصہ ہے اور بات اللہ کی زبان رسول اللہ کی خطابت کا لطف الفاظ کی بندش زبان کی شیرینی اور لب و رخسار کا حسن بھی جو یہاں ہے وہ کہیں نہیں اور تقدس بھی بے مثال اب یہ بات بھی جس کے دل میں نہ اترے شاید اس کے پاس دل ہی نہیں اسی لئے فرمایا کہ ہدایت کا منبع اور نور کا مینار تو آپ کی ذات ہے جو آپ سے بھی مستفید نہ ہوا وہ کہاں ہو سکے گا۔ ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ ولہم عذاب عظیم ہ یعنی انکے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور کانوں پر بھی اور ساتھ ہی آنکھوں پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے ہم دل کو ایک پمپنگ مشین سمجھے تھے مگر یہ تو بہت بڑی شے نکلا۔ ذرا سوچیں دماغ کیا ہے رگوں کا ایک مجموعہ مگر اس میں کیا کچھ خزانے دفن ہیں اور کس قدر علوم کو سیکھنے کی قوت ہے کس قدر یادداشتیں اور کتنی وسعت ہے اس کے اندر اپنے اس سارے کمال کے باوجود خطاب الٰہی کا سزاوار نہ ٹھہرا بلکہ یہ نعمت دل کے حصے میں آئی۔ فرمایا نزل بہ الروح الامین علی قلبک یعنی کلام الٰہی کا نزول قلب پر ہوا گویا قلب کی استعداد اس سے کروڑوں گنا زیادہ نکلی۔ اس کی وسعت ناپیدا کنار اور اس کی عظمت ناپ کے پیمانوں سے بالاتر نکلی۔ یہ صرف لوتھڑا نہیں اور نہ صرف مشین ہے بلکہ ایک وسیع کائنات ہے ایک مکمل جہان ہے انبیاء کے قلوب فیضان باری کو قبول کرتے اور تقسیم کرتے ہیں اور مومنین کے قلوب ان سے انوارات کو اخذ کرتے ہیں مگر کفر ایسی بلا ہے جو قلوب سے یہ استعداد چھین لیتی ہے۔ جیسے خودکشی کرنے والا جب اپنے آپ کو گولی مارتا ہے تو موت تو اسے اللہ ہی دیتا ہے مگر وہ خود اس کا سبب بنا اسی طرح

ایک غلط کار انسان کی مسلسل غلط کاری دل کی موت کا سبب بن جاتی ہے اور اللہ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے جس کا سبب اس کا اپنا کردار ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اگر توبہ کرے تو خیر ورنہ ہر گناہ سے سیاہی بڑھتی رہتی ہے جو آخر کار سارے دل کو سیاہ کر دیتی ہے اسی کو دل کا اندھا پن اور دل کی موت کہا گیا ہے اگر انسان جسمانی زندگی سے زندہ بھی رہا تو کیا ہوا بے شمار جانور یہ زندگی گزار رہے ہیں اس کی اصل فضیلت تو اس کی روحانی زندگی تھی جسے اس کی نادانی نے کھو دیا۔ یہاں ایک لطیفہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ خالق اور مخلوق خدا اور بندے کے درمیان ایک تعلق ایسا لطیف تر ہے جو ان کا ذاتی ہے اور جسے بجز ذات باری کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ نبی کریم کو بھی تب اطلاع ہوئی جب اللہ نے بتایا کہ ان افراد یا اس قسم کے افراد کے ساتھ میرا تعلق اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ اب ان کو توبہ نصیب نہ ہوگی تو یہ تعلق چونکہ ہر انسان کا علیحدہ ہے اس لئے ہر آدمی پر نزول رحمت بھی الگ طرح سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام اجتماعی ذکر کی تلقین فرماتے ہیں کہ ایک شخص پہ ایک رنگ کی رحمت ہوگی تو دوسرے پر دوسری طرح کے انوار سو اگر کافی لوگ ہوتے تو انوار بھی رنگا رنگ ہوں گے گویا ایک گلدستہ بن رہا ہے اور یہ راز نماز باجماعت میں بھی ہے سو یہ سب انعامات دل کی دنیا میں ہیں جنہوں نے یہ دولت ہی ضائع کر دی یا اس طرف متوجہ ہی نہ ہوئے ان کو اس وقت خبر ہوگی۔ جب مادی جہان اور اس کی نعمتیں نہ رہیں گی اور صرف وہ انعامات باقی ہوں گے جن کا مدار دل کی زندگی روح کی زندگی اور اس کی استعداد پر ہے۔ دماغ اور زبان کا اقرار عند اللہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک تصدیق قلبی ساتھ نہ ہو تو گویا جس طرح جسم مادی دنیا میں پیدا ہوتا ہے پیغام الٰہی کی تصدیق کرکے دل بھی زندگی کے میدان میں وارد ہوا مگر اس کے بعد لوگ صرف جسم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور یہ نومولود قلب سسکتا بلکتا رہتا ہے اور بالآخر چند ہچکیاں لیکر موت

کی انتہا گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ مسلمان گھرانوں میں جنم لینے کے بعد کس کس طرح کفر کی دلدل میں پھنس رہے ہیں۔ اعضا ظاہری کی سلامتی کے ساتھ بے چارے دل اور اس کے سمع بصر کو کھو بیٹھے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

رکوع ۲:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ
وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا
يَكْذِبُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا
اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا
اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا
يَعْلَمُوْنَ ○ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○
اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ
تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ
نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ
وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ○ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ
لَا يَرْجِعُوْنَ ○ ۙ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ
وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ
حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ
اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ
قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ع

ترجمہ

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر
آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں
سے جو ایمان لا چکے ہیں (یعنی محض چالبازی کی راہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں) اور واقع میں
کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔
ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے سو اور بھی بڑھا دیا اللہ تعالے نے ان کو مرض۔ اور ان کے لئے
سزائے دردناک ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ
فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں یاد رکھو بے شک یہی لوگ
مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان
لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لائے ہیں
بیوقوف یاد رکھو بے شک یہی ہیں بے وقوف لیکن وہ اس کا علم نہیں رکھتے۔ اور جب ملتے ہیں
وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت
میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بے شک تمہارے ساتھ ہیں ہم تو
صرف استہزاء کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالے ہی استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے
چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے
ہدایت کے تو سودمند نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے۔ ان کی حالت
اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس
آگ نے اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے
ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں بہرے ہیں گونگے
ہیں اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے۔ یا (ان منافقوں کی ایسی مثال ہے) جیسے بارش
ہو آسمان کی طرف سے اس میں اندھیری بھی ہو اور رعد و برق بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے
ہیں وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اللہ تعالیٰ

احاطہ لئے ہوئے ہیں کافروں کو یہ نئی کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لی جہاں ذرا ان کو بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے گوش وچشم سب سلب کر لیتے بلاشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

اسرار و معارف:

یہاں کفر کی دوسری قسم بیان ہوئی ہے جسے نفاق کہتے ہیں اور یہ اپنے ضرر کے اعتبار سے شدید تر ہے۔ پہلی پانچ آیات میں مومنین کی تعریف پھر دو آیات میں کفر کی وضاحت کے بعد تیرہ آیات میں نفاق اور منافق کے حالات ارشاد ہوئے ہیں۔ تاکہ اس کی خوب وضاحت ہو جائے جس طرح منافق ضرر میں بڑھا ہوا ہے اسی طرح نفاق کا عذاب بھی دوسری قسم کے کفر سے زیادہ ہوگا ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار

یعنی کفار سے بھی نیچے کے درجے میں ان کو رکھا جائے گا۔ کیونکہ ان کا دعوٰی ہے کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں مگر وہ مومن نہیں ہیں اور مومن نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ بھئی اللہ کو کیسے دھوکا دے سکتے ہیں فرمایا اس طرح سے اللہ کے ایماندار بندوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ بظاہر خود کو مسلمان ظاہر کر کے بباطن ان سے دشمنی رکھتے ہیں تو اللہ کے ان مخلص بندوں سے دھوکا گویا ذات باری سے دھوکا کرنے کی کوشش ہے۔

والذین آمنوا کا مصداق اول صحابہ کرام کی ذوات مقدسہ ہیں۔ تو شدید تر کافر جو تھے، وہ بظاہر کلمہ پڑھ لینے کے باوجود ان سے حقیقی تعلق پیدا نہ کر سکے بلکہ مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی سے جلا کرتے تھے فرمایا ان کا یہ فعل اللہ کے بندوں کا تو کچھ بگاڑ نہیں رہا الٹا ان کے لئے حق میں تباہی کا سبب بن رہا ہے اس طرح وہ اپنے آپ سے دھوکا کر رہے ہیں جس کا انہیں شعور نہیں۔ گویا صحابہ کی محبت یا ان کے ساتھ خلوص ہی ایمان کی دلیل ہے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جس قدر مذاہب باطلہ اسلام کے نام پر وجود میں آئے ان سب نے صحابہ کرام کو

ہدف تنقید بنایا ان میں خواہ منکرین حدیث ہوں یا کسی نئی نبوت کے دعویدار سب کی مجبوری یہ رہی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی پسند کے معانی پہنا کر اپنی بات بنانے کی کوشش کی جائے اور یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک صحابہ کرام کو ان کے مقام سے گرا نہ دیا جائے۔ کہ انکی زندگی ہی قرآن کی تفسیر ہے انھوں نے قرآن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور آپ کے سامنے قرآن پر عمل کر کے اپنے عمل کی صحت کی سند پائی اب اگر کوئی اسلام کے نام پر کفر کا کارخانہ قائم کرنا چاہے تو صحابہ کرام کی ذات پر اعتراض سے آغاز کرتا ہے اور یہی نفاق کی سب سے بڑی دلیل ہے بعض فرق باطلہ نے تو صحابہ کبار کو سب وشتم کا نہ صرف نشانہ بنایا بلکہ اس فعل شنیع کو عبادت کا درجہ دے کر مذہب کی بنیاد بنایا ایسے لوگ کفر و نفاق کے جامع ہیں کہ بعض اعمال و عقائد کافرانہ رکھتے ہیں اور بعض منافقانہ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں میں مرض ہے فی قلوبھم مرض اور مریض دل شربت محبت پینے کی استعداد نہیں رکھتا بلکہ اس میں حسد اور بغض کی عفونت پیدا ہوتی ہے اور مخالفت مومنین سے یہ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے فزادھم اللہ مرضا اہل اللہ سے عداوت گویا خود اللہ سے عداوت ہے اور اگر توبہ نصیب نہ ہو تو یہ مرض بڑھتا رہتا ہے جو ہلاکت و تباہی پر منتج ہوتا ہے اے کاش بدن کی صحت کا فکر کرنے والا انسان کبھی اپنے قلب اور اسکی صحت کا فکر بھی کر لیتا۔ کسی ایسے حکیم کو بھی تلاش کرتا جو دلوں کو منور کرتا ہو اور ان کی اصلاح کے فن سے آشنا ہو۔ جب قلبی امراض کا یہی حال رہا تو پھر ولھم عذاب الیمؐ بما کانوا یکذبون فرمایا ان لوگوں کیلئے اتنا بڑا جھوٹ بولنے کی وجہ سے بہت درد ناک عذاب ہے۔ گویا ایمان وعمل کی کسوٹی صحابہ کرام ہیں اگر ان سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی بزعم خود بہت بڑی نیکی بھی کر رہا ہے تو عند اللہ وہ صرف نامقبول ہی نہیں بلکہ منافقت کا درجہ رکھتی ہے اور اس پر عذاب الیم مرتب ہوگا۔ واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد پیدا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح چاہتے ہیں اس آیۃ کریمہ نے اصلاح و فساد کا معیار مقرر فرما دیا ہے اگر حدود متعین نہ ہوں تو کوئی

ڈاکو بھی اپنے آپ کو فسادی نہیں کہتا۔ بلکہ اپنی حرکات کا جواز تلاش کرتا ہے مگر یوں کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اس کائنات کا خالق خود فیصلہ نہ فرمادے۔ اللہ کریم نے ایسے لوگوں کو جو اندرونی اور باطنی طور پر دین حق سے اختلاف رکھتے تھے۔ فسادی کہا ہے یعنی اصلاح نام ہے قول وفعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ رضوان اللہ وتعالےٰ علیہم اجمعین کا خواہ عبادات ہوں یا معاملات ہر حال میں جو بات ان کے خلاف ہوئی وہ فساد ہوگا۔ جیسے صبح کی دو رکعت فرض ہیں اگر کوئی ایک پڑھے تو باطل اور اگر تین پڑھے تو بھی باطل یہ تیسری رکعت بھی پہلی دو کیلئے مفسد ہوگی۔ یعنی تمام بھلائی تمام خوبصورتی تمام حسن اور ساری اصلاح کا معیار ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شخص بھی جس کام میں بھی آپ سے اختلاف کرنے والا ہوگا۔ وہ فساد پیدا کرنیوالا ہوگا۔ آپ دیکھیں دنیا میں کسقدر مشاہیر گزرے ہیں ہر قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جن پر قوموں کو ناز ہے مگر ایسے کتنے ہیں جن کا قول قولِ فیصل ثابت ہوا ہو ایک بھی نہیں۔ قانون اور ضابطے بناتے ہیں۔ پھر خود ہی ان میں ترامیم کرتے ہیں اور یہی اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ اس میں خامی موجود ہے اور اصلاح کی ضرورت باقی ہے یہ صرف ایک ہستی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جس نے آج سے چودہ صدیاں پیشتر ایک طرز حیات ایک قانون ایک معاشرت اور ایک ضابطہ عطا فرمایا۔ ایسا کامل ایسا جامع جسے نہ زمانہ فرسودہ کرسکا اور نہ کوئی مدبر اس سے بہتر تدبیر کرسکا یعنی جس کام کو جس طرح سے کرنے کا آپ نے حکم دیا اس کی وہی بہترین صورت ہے اس سے بہتر کبھی نہ ہوگا بلکہ اختلاف کرنے والا بگاڑ پیدا کرکے مفسد کہلائے گا۔ خواہ اپنے زعم باطل میں وہ کتنا ہی اچھا کر رہا ہو اسی بات کو اب اس طرح دیکھیں کہ جو حضورؐ نے فرمایا صحابہؓ نے عملاً کیا تو گویا صحابہ کا عمل کسی بھی کام کی انتہائی خوبصورت تشکل ہے اور ان کا مخالف مفسد اور یہی اصلاح وفساد کا معیار ہے ورنہ تو منافق بھی کہتے ہیں کہ جی ہم تو اصلاح چاہتے ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ خبردار خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن ان میں شعور نہیں کہ ہر کام کے کرنے سے دو طرح کا اثر مرتب ہوتا ہے ایک ظاہری

اور فانی دوسرا باطنی اور ابدی۔ بظاہر حرام کھانے سے پیٹ بھر جاتا ہے اور کوئی ضروری نہیں کہ بدہضمی کی شکایت پیدا ہو مگر بباطن ایک ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے جو نہ صرف دل کو سیاہ کرتی ہے بلکہ اپنی حد تک ماحول کو متاثر کرتی ہے اسی طرح ہر فعل کا اثر ہوتا ہے جو سنت کے مطابق ہو اس سے نور پیدا ہوتا ہے اور ماحول میں نورانیت اور نیکی کا سبب بنتا ہے مگر خلاف سنت فعل سے ظلمت پیدا ہو کر ماحول اور معاشرے میں تباہی پھیلانے کا سبب بنتی ہے اور یہی فساد فی الارض ہے۔ جسے بھلا اپنی طرف سے اصلاح کا نام دے کر کرتے ہیں مگر حقیقت نام بدلنے سے بدل نہیں سکتی۔
واذا قیل لھم امنوا اور جب ان سے کہا جائے کہ بھئی اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ سب لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں بھئی ہم ان بے وقوفوں کی طرح ماننے سے رہے۔ یہ ہے باطنی تاریکی کا اثر جو بالآخر نوک زبان تک آہی گیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کیسے ایماندار ہو تمہارے اعمال اس کی شہادت نہیں دے رہے ہیں ان اور لوگوں کو یعنی صحابہ کرام کو دیکھو تو یہ کس طرح ایمان لائے ہیں تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ اور انہی کی طرح عمل کرو تو کہتے ہیں یہ تو بیوقوف لوگ ہیں عقل سے کام ہی نہیں لیتے ہم ان کی طرح کیسے ہو جائیں رسول اللہ کو بھی مانیں گے اور کام عقل کے مطابق کریں گے بھئی دنیا میں بھی رہنا ہے آخر فرمایا یہی سب سے بڑی بیوقوفی ہے کہ یہ اپنی عقل کو رہنما بناتے ہیں حالانکہ یہ منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور حقیقی عقلمند وہی ہیں۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مقابلے میں اپنی عقل کو لا شئے جانا اور عقلمندی اتباع میں سمجھی کہ اختلاف حقیقتاً بے عقلی ہے۔ ان سے اختلاف رکھنے والے خواہ عقائد میں ہوں یا اعمال میں بے عقل ہیں اور بے علم بھی ہیں کہ علم نام ہے حق کو جاننے کا ایسے علوم جو حق آگاہ نہ کر سکیں حقیقتاً جہالت کا درجہ رکھتے ہیں علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است۔ واذا لقوا الذین امنوا ان کا حال یہ ہے کہ جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ٹھٹھا کر رہے تھے۔ یہاں منافقین کا حال تو بیان

ہو ہی رہا تھا اللہ کریم نے ان کے سرداروں یا پیشروؤں کو شیطین کا نام دیا کہ جب اپنے شیطانوں کے پاس لوٹتے ہیں یعنی جو لوگ دین حق کے خلاف کوئی راہ نکالتے اور اس پر لوگوں کو چلانے کی سعی کرتے ہیں وہ بھی شیطین ہیں اللہ یستھزء بہم یعنی اللہ کریم انہیں ذلیل کرتا ہے۔ ایسے الفاظ جب ذات باری کی طرف منسوب ہوں تو معنی بعید مراد ہوتا ہے وہ معنی جو اس فعل کا نتیجہ ہو جس سے ٹھٹھا کیا جائے حقیقتًا مراد اسکو ذلیل کرنا ہوتا ہے تو اللہ ان کو اس طرح ذلیل کرتا ہے کہ انہیں اور ڈھیل دیتا ہے اور وہ گمراہی میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ بظاہر حیات دنیوی پر خوش ہیں کہ ہم نے خوب داؤ لگایا کہ دعوٰے مسلمانی کا کر کے جس قدر فوائد ممکن تھے اسلام سے حاصل کئے اور جہاں قربانی دینے کا وقت آیا ہم جان بچا گئے یہ لوگ اس حقیقت کو پا ہی نہیں سکے کہ حقیقی فائدہ قربانی ہی میں ہے اور کس قدر عظیم ہے وہ انسان جس کے اوقات جس کی قوتیں جس کی دولت اللہ پر نچھاور ہو یہ منافق تو ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی اولٓئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدی فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین گمراہی اور ہدایت ایک دوسرے کی ضد ہیں ان میں سے ایک صفت حاصل ہو گی تو دوسری کو رخصت کر دے گی انسان کو ضرورت ہے ہدایت کی صحیح راستے کی اب جو کوئی گمراہی اختیار کرے گا۔ تو اس نے ہدایت چھوڑ دی یہاں آج کے بے عمل معاشرے کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ لوگ عمل دین کے خلاف کرتے اور اپنے کو ہدایت پر بھی جانتے ہیں گویا دونوں جمع کر رکھی ہیں۔ جو محال ہے تو یہ لوگ بھی ہدایت چھوڑ کر سخت خسارے میں رہے ان کی یہ تجارت انہیں قطعًا کوئی نفع نہیں دے سکتی۔ بلکہ ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے کچھ افراد جنگل وخرابے میں رات کی ہولناک تاریکی میں گھر گئے ہوں اور اندھیرے سے گھبرا کر انہوں نے آگ جلائی جب آگ نے اپنا ماحول روشن کیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی مثلھم کمثل الذی استوقد نارًا لا یرجعون۔ انسان طبعًا ہدایت کا طالب ہے جب بعثت نبوی سے قبل سخت ظلمت وتاریکی چھا رہی تھی تو سب لوگ گھبرا اٹھے اور چاہتے تھے کہ کوئی اعلیٰ صورت حال پیدا ہو تو وحی الٰہی ایک روشنی

بن کر ظاہر ہوئی اور پورے ماحول کو جگمگا دیا گویا اس ظلمت کدے میں آگ روشن ہوئی
مگر اس کی قدر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے انکی روشنی چھین لی اور یہ اس سے استفادہ کرنے
ہی کے قابل نہ رہے ذھب اللہ بنورھم اب یہ ظلمت کدے میں بھٹکے رہ گئے کہ
دیکھ ہی نہیں سکتے۔ نہ صرف دیکھ نہیں سکتے بلکہ آنکھ کے ساتھ کان اور زبان بھی گئے
جب فطری استعداد ضائع ہوئی تو بینائی کے ساتھ تمام حواس کھو گئے اب نہ یہ اچھی
بات کہہ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں جب یہ حواس ہی گئے تو ان کا لوٹ کر آنا کیسے ممکن ہے
گویا گمراہی سے واپسی کی راہ ہی مسدود ہو گئی اب وہ اس سے باز نہیں آتے یا پھر انکی
مثال ایسی ہے جیسے سخت بارش ہو او کصیب من السماء جس میں اندھیری بھی ہو اور
بجلی کی کڑک بھی اور چمک بھی اس بارش میں چلنے والے لوگ گرفتار بلا ہیں اور گرج کی
وجہ سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں مر ہی نہ جائیں حال یہ ہے کہ ان
کی یہ بودی تدبیر بھلا انہیں اللہ کی گرفت سے کیسے بچا سکتی ہے اللہ تو ہر حال میں کافروں
کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے یعنی یہ ہر وقت اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔
اب چمک ایسی ہے کہ آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے جب ذرا چمک ہوئی تو دو قدم چل پڑے
پھر جب تاریکی چھا گئی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ جیسے اندھیری سخت طوفانی بارش اور
بادلوں کی گھن گرج میں پھنسے ہوئے مسافر ہوں انسانیت کی حالت یہی تھی جس میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم بجلی کی روشنی کی طرح چمکے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی راہ نمائی فرمائی یہ منافقین
جب کبھی حضور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا دل بھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے مگر جب
اپنی فطری تاریکی کا غلبہ ہوتا ہے تو اسی گمراہی کی دلدل میں کھڑے کے کھڑے رہ جاتے
ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان آنکھ سب چھین لیتا کہ جب انہوں نے اللہ کے
رسول کو انصاف کی نگاہ سے نہ دیکھا تو ان کے پاس آنکھ رہے ہی کیوں اور جب آپ
کے ارشادات نہیں سنتے تو کان کی نعمت سے فائدہ ہی کیوں اٹھائیں اور اللہ اس سب
پہ قادر ہے یہ دنیا دار ابتلا ہے ایک معین وقت تک فرصت ہے کہ انسان باختیار خود
اگر ہدایت پہ چلے تو بہتر ورنہ جیسے چاہے زندگی بسر کرے مگر آخرت میں ایسے لوگوں

سے واقعی یہ چیزیں چھن جائیں گی اور میدان حشر میں اس حال میں کھڑے ہوں گے کہ اندھے ہوں گے کان ضائع ہو چکے ہوں گے اور بات کرنے کی توفیق سلب بلکہ دوزخ میں گدھوں کی طرح چلائیں گے یہ اعمال کا وہ اثر ظاہر ہوگا جو ظاہر بین نگاہ سے پوشیدہ ہے اللہ ہم سب کو اس سے امان میں رکھے آمین!

رکوع ۳

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ
الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ
رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ
مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ
اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ
وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ
بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ كَيْفَ
تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق
ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ
عَلِيْمٌ ۝ع

ترجمہ :

اے لوگو عبادت اختیار کرو اپنے اس پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور اُن لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی پھر پردہ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں کی غذا کو تم لوگوں کے واسطے پس اب تو مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل تم جانتے بوجھتے ہو۔ اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو۔ اور بُلالو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکے اور قیامت تک بھی نہ کرسکو گے تو پھر ذرا بچتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے۔ اور خوشخبری سنا دیجئے آپ اے پیغمبر ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اس بات کی کہ بے شک ان کے واسطے بہشتیں ہیں کہ چلتی ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیے جاویں گے وہ لوگ ان بہشتوں میں سے کسی سے پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا۔ اور ان کے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہوں گی صاف پاک کی ہوئی اور وہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ کو بسنے والی ہوں گی ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کر دیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو سو جو لوگ ایمان لائے ہوتے ہیں خواہ کچھ بھی ہو وہ تو یقین کریں گے کہ بے شک یہ مثال تو بہت موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں سو چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یوں ہی کہتے رہیں گے کہ وہ کونسا مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالےٰ نے اس حقیر مثال سے گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالےٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف بے حکمی کرنے والوں کو جو کہ توڑتے رہتے

ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالٰے سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کو وابستہ رکھنے کا۔ اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں پس یہ لوگ پورے خسارے میں پڑنے والے ہیں۔ بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر ان ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف سو درست کر کے بنائے سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اسرار و معارف :

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ .... وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۲-۲۱) ایمان و کفر کا فرق اور مومن کے اوصاف اور کافر کی عادات ارشاد فرما کر پوری آبادی میں صرف دو قومیں مقرر فرمائی ہیں ایک مومن دوسری کافر جو محض دعویٰ کرنے سے نہیں بن سکتا بلکہ ایمان اور کفر کا معیار بھی ارشاد ہوا اور ایمان کا دعویٰ کرنے والے ان کافروں کی نشاندہی بھی کرا دی گئی جو عقائد تو کفریہ رکھتے ہیں مگر مدعی اسلام کے ہیں اور ان کی حرکات فساد کا سبب ہیں جس کو وہ اصلاح کا نام دیتے ہیں یہ کفر ہی کی خطرناک تر قسم ہے، کوئی تیسری قوم نہیں ۔جب حق و باطل واضح ہو گیا تو اب صلائے عام ہے ساری نوع انسان کو کہ سب طرح کی غلط روشیں چھوڑ کر حق کو اپناؤ اور اس ہستی کی عبادت کرو یعنی اس کی اطاعت اختیار کرو جو تمہارا رب ہے۔ رب اس کو کہتے ہیں جو سب ضرورت مندوں کی تمام حاجات ہر وقت اور ہر جگہ پوری کر رہا ہو اور بتدریج ہر شے کو اس کے کمال کی طرف لے جا رہا ہو عبادت کی حقیقت اطاعت ہے اور اطاعت کے لئے بنیادی جذبہ جلب منفعت ہے یا پھر دوسرے درجے میں دفع ضرر۔ اور اعمال انسانی کا محرک یہی جذبہ ہے دنیا میں کوئی شخص کوئی کام اس اُمید کے بغیر نہیں کرتا کہ اس کے کرنے سے فلاں طرح کا نفع حاصل کروں گا جہاں یا جس ہستی سے اس کی یہ اُمید وابستہ ہو گی وہیں اس کا سر تسلیم خم ہو گا اگرچہ اللہ کریم اپنی ذات میں ایسا ہے کہ ہر حال عبادت کا مستحق اور معبود حقیقی ہے، مگر یہ بات عام عقول سے بالا ہے سو دعوت عبادت کا سبب اس

کی ربوبیت کو رکھا اور فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو کہ وہ تمہارا خالق ہے، تمہارے آباؤ اجداد کا خالق ہے، جب تخلیق اس کی ہے تو اس کی بقا کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ یہاں خالقیت کو دلیل ربوبیت بنایا ہے کہ جب پیدا اس نے کیا ہے تم کو تمہارے آباؤ اجداد یا تم سے پہلے کی ساری مخلوق کو جن ہوں یا فرشتے جو کوئی بھی تم سے پہلے بھی ہے سب اس کی مخلوق ہے نیز من قبلکم سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہ اُمت آخری اُمت ہے پہلوں کا ذکر فرمایا مگر بعد والوں کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ اس کے بعد کوئی امت ہے ہی نہیں۔ حتیٰ کہ اس کی اکیلی ذات خالق ہے باقی سب مخلوق اور مخلوق خود اپنی بقا میں محتاج ہوا کرتی ہے، سو وہ تو ربوبیت کہ یا دوسروں کو باقی رکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی تو لا محالہ رب وہی ہے اور رہی تمہاری بات تو تمہیں اس کی عظمت کا احساس اور اس کی ذات کی معرفت کا ثمر تب ہی نصیب ہوگا جب تم اس کی اطاعت اختیار کرو گے لعلکم تتقون۔

تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ تقویٰ کا ترجمہ ڈر بھی کیا جاتا ہے جو موقع کی مناسبت سے درست ہے مگر یہاں تقویٰ سے مراد وہ دلی کیفیت ہے وہ جذبہ ہے جو صدق دل سے اطاعت الہٰی پر کار بند کر دے اور اللہ کی ناراضگی انسان کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے اور انسان کو یہ استعداد اور قوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے باقی ساری مخلوق جو تکوینی طور پر اللہ کی اطاعت کر رہی ہے اسے یہ استعداد نصیب نہیں، سورج ہو یا چاند زمین ہو یا آسمان موسم اور ہوائیں حتیٰ کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی اطاعت پر کمر بستہ ہے مگر اطاعت صرف حکم کی کرتے ہیں حکم دئے جاتے ہیں اور بجا لاتے ہیں۔ ان کے پاس سوائے تعمیل ارشاد کے چارہ نہیں مگر اس سب کے باوجود حاکم کیسا ہے اور اس کی صفات کیسی کامل اس کی ذات کیسی جمیل اور مصدر حسن و کمال ہے یہ وہ نہیں جانتے نہ انہیں اس کے جاننے کی طاقت ہی ملی ہے انسان کی ذات بھی دو حصوں میں منقسم ہے ایک میں تو اس کا حال ان سے مختلف نہیں مثلاً پیدا ہونا مرنا صحت و بیماری یا قد کا ٹھ شکل و صورت مرد ہونا یا عورت امیری و غریبی یہ سب چیزیں اس کے بس میں نہیں۔

یہ بھی تقدیر کے دھارے میں بہتا رہتا ہے مگر اس سب کے ساتھ اسے ایک خاص ذوق جمال ودیعت ہوا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے مختلف اشیاء کو حاصل کرنے کا اسے اختیار بخشا ہے مکان لباس اور غذا ایک میں اس کا یہ جذبہ کار فرما نظر آتا ہے جہاں اس کے سامنے دنیا کا حسن بکھر

دیا ہے وہاں اسے معرفت ذات کی استعداد بھی دی ہے اگر یہ اس کو کھو دے تو اس کی ساری طلب دنیا کے حسن کو پانے میں صرف ہوتی ہے لیکن اگر یہ اس نقصان سے بچ جائے اور اسے کوئی شمہ معرفت باری کا نصیب ہو تو پھر سارے جہان کے حسن کو اس پر نثار کر دیتا ہے اس کی حالت کو اس شعر نے خوب بیان کیا ہے ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یوں کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

سو یہ پروانہ اگر شمع دنیا پہ قربان ہونے سے پیشتر رخ روشن کو دیکھ پائے جس کی استعداد اس میں رکھی گئی ہے تو پھر کبھی اس طرف سے نہیں پھرتا یہی اس کا مطلب ہے کہ الفانی لا یبن فداوہ یہ جذبہ جو اسے ہر حال جمال باری پہ قربان ہونے کو بیقرار کئے رکھتا ہے اس کو تقویٰ کہا گیا ہے اور اس کے حصول کا سبب اللہ کی عبادت کو قرار دیا ہے کہ اللہ کی ذات شعور و ادراک کی وسعتوں سے بالاتر ہے اور کمند خیال کی رسائی سے باہر آنکھیں اس کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتیں اور کسی چیز سے اس کی مثال دینا ممکن نہیں تو پھر اس کو پا لینے کا طریقہ کیا ہے یہی اس کی عبادت اور اطاعت واحد راستہ ہے جو جبین اس کی چوکھٹ پہ جھکتی ہے وہ اس کے نور سے منور ہو جاتی ہیں اور جو دل میں اس پہ نثار ہوتے ہیں اس کی تجلیات کے مہبط بن جاتے ہیں نیز یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ معرفت کا مدار عبادت پہ ہے کہ اور کوئی راستہ نہیں یہی اس کے حصول کا سبب بھی ہے اور اگر کوئی شمہ معرفت کا نصیب ہو جائے تو یہی عبادت اس کا ماحصل بھی ہے کہ پھر سر اٹھانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ سو اگر کوئی عملاً اطاعت نہیں کرتا یا اپنی مرضی سے عبادات ایجاد کرتا ہے اور مدعی معرفت بھی ہے تو اس کا اعتبار نہیں۔ یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ عبادات سے اگر واقعی معرفت نصیب ہو تب عبادت کی صحت کا اعتبار ورنہ اس کی صحت مشکوک رہے گی اور اگر معرفت نصیب ہوئی تو پھر مزید عبادت پہ مجبور کر دے گی اور ترقی لذیذا اور عارضی کمالات کی طلب نہ رہے گی اور نہ کشف و کرامت کا شوق اگرچہ یہ کمالات اس سے حاصل ہو جاتے ہیں مگر یہ مقصود نہیں رہتے یہ بھی بڑی کٹھن راہ ہے کہ بعض طالبوں کو جب کشف نصیب ہوتا ہے تو وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم نے منزل پا لی اور ذوقِ عبادت کم ہو جاتا ہے جو ان کی ترقی میں رکاوٹ

بنتا ہے اور بعض تو اس میں اس قدر مبتلا ہوتے ہیں کہ بالآخر سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں سالک کو یہاں بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیئے اور کبھی اللہ کے سوا کسی چیز پہ مطمئن نہ ہونا چاہیئے کہ سب راستے کے روڑے ہیں اللھم ارزقنا حبک وحب حبیبک آمین۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وہ ایسا قادر ہے کہ زمین کو تمہارے لئے فراش یعنی جائے آرام بنا دیا کہ باوجود اپنی گولائی صورت کے ہر جگہ ہر ایک کے لئے سیدھی ہے اور سب کے بسنے کے پورے لوازمات لئے ہوئے ہے کھودو تو سوئی سے کھود سکتے ہو ایسی نرم ہے اور اتنی سخت کہ بڑے بڑے قلعے اٹھا کر کھڑی ہے دبنے کا نام نہیں لیتی اپنی ایسی کہ ہر متنفس کو اس کا حصہ دے رہی ہے پہلوں کو پچھلوں کا رزق نہیں دیتی اور ان کا حصہ کم بعد والوں کے لئے رکھتی ہے خزانے سے سینے معمور اور آب حیات اس کی رگوں میں جاری فراش بچھونا یعنی جائے آرام ہے غذا و لباس، مکان ہر ضرورت کی شے سے آراستہ مگر یاد رہے بچھونا ہے جہاں چند سے آرام کر کے اٹھ کر کام پہ بھی جانا ہے یہ مستقل جائے رہائش نہیں بلکہ ستانے کی جا ہے۔ اور آسمان کو چھت بنایا جو ساری دنیا کو سایہ فگن ہے مگر دنیا کے سہاروں سے بے نیاز جس سے سب مستفید ہو رہے ہیں مگر جس کی تعمیر یا مرمت کی کسی کو فکر نہیں جو سب کو دے رہا ہے جو اللہ نے اس کے ذمہ لگایا ہے مگر لیتا کسی سے کچھ نہیں ایک ایسی چھت جو دم تعمیر سے قیامت تک ایستادہ ہے نہ دیواروں کی ضرورت نہ ستونوں کی احتیاج اور آسمانوں سے پانی کو اتارا ایسا قادر ہے کہ پانی کو فضا میں یوں پھیلا دیتا ہے جیسے چادر تنی ہو اور بادلوں کو ہوائیں گود میں لئے بکھرتی ہیں، مگر جب برستے ہیں تو جل تھل کر دیتے ہیں پانی ندیوں نالوں اور دریاؤں سے اچھل اچھل کر باہر نکل پڑتا یہ اللہ ہی کی قدرت ہے کہ اسے ہوا پہ معلق رکھا محاورۃً اوپر سے آنے والی شے کو آسمان سے آنا کہدیا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل میں نزول ماء آسمان سے ہوا ہو۔ پھر صرف پانی کے برسنے میں کمال نہیں بلکہ اس کے زمین پر آنے سے گلہائے رنگا رنگ کا ظہور ہوتا ہے فصلیں اگتی اور میوے لگتے ہیں بے رنگ و بے ذائقہ پانی طرح طرح کے رنگ اور ذائقے بکھیر دیتا ہے اور تمہاری غذا کے پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے غرض تمہاری ذات کی تخلیق اور تمہارے سارے کمالات کی عطا

زمین کی پیدائش اور اس کی خصوصیات، آسمان کی بناوٹ اور اس کے سارے کمال پانی کا برسنا اور اس کے تمام اثرات یہ سب کیا ہے اللہ کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے اور اس کی عظمت کی نشانیاں ہیں اور کمالات اور انعامات خواہ انسان کی ذات میں ہوں جنھیں انفسی کہا جائے گا خواہ اس کے گرد و پیش جو آفاقی کہلائیں گے سب اللہ کی طرف سے ہیں اس کے سوا کون ہے جو شکم مادر میں خون اور غلاظت میں انسانی صورتیں تخلیق کر رہا ہے کس نے زمین بنائی آسمان کس کی صنعت ہے۔ اور کون پانی برسا کر پیداوار تقسیم کر رہا ہے اللہ اس کے سوا کوئی نہیں تو کیا تو اس کی اطاعت چھوڑ دے گا اور بادلوں، پہاڑوں یا درختوں اور پتھروں کو پوجنے لگ جائے گا۔ اگر تو ان اسباب کے پیچھے بھاگا تو پھر یہ اس کثرت سے ہیں کہ تو سب کی پوجا نہیں کر سکے گا۔ اور تجھے اس پوجا سے کچھ حاصل بھی نہ ہوگا کہ یہ سب کچھ خود اپنی ذات میں اللہ کا محتاج ہے سو اللہ کا مقابل کسی کو نہ بناؤ کہ اللہ کی عبادت میں کسی اور کو بھی شریک کر بیٹھو جبکہ یہ جملہ حقائق تم اچھی طرح جانتے بھی ہو اور خوب علم رکھتے ہو کہ یہ روزمرہ کی نشانیاں اسی بات پہ دلالت کر رہی ہیں دراصل اسلام نام ہی توحید باری کا ہے اس کو ماننے کا ہے اس کے کمالات پر یقین رکھنے کا ہے اور دنیا میں امن و سکون کو پانے کا واحد راستہ بھی یہی ہے کہ کوئی بھی انقلاب انسان پر مایوسی طاری نہ کر سکے بلکہ ہر انقلاب اللہ کی عظمت کا نشان نظر آئے اور کبھی غیر اللہ پہ امید ہی قائم نہ ہو کہ پھر ناامیدی کا مقابلہ کرنا پڑے ہمیشہ سے امیدوں کا مرکز ہی ایک ذات ہو جب یہ حال حاصل ہو جاتے تو پھر پاؤں کی ٹھوکروں سے پہاڑ ہلائے جا سکتے ہیں کہ تائید باری شامل حال ہوتی ہے اور اگر اللہ سے تعلق استوار نہ ہو تو کسی بھی حالت میں آرام نصیب نہیں ہوتا شاہ ہو یا گدا یہ جینی اس کا مقدر ہے مگر اس توحید کی نشاندہی کس نے کی انسان کو اللہ کی عظمت سے کس نے روشناس کرایا وہ کون ہے جس نے انسانوں کو غیر اللہ کی پرستش سے نجات دلائی اور ان کی پیشانیوں کو خدائے واحد کے نور سے منور کر دیا اور اس کے پاس کونسا نسخۂ کیمیا تھا جس نے مسِ خام کو کندن بنا دیا وہ ہستی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نسخۂ کیمیا ہے قرآن مجید اب اگر کسی کے دل میں یہ بات ہو ما آئے کہ معاذ اللہ بے شمار لوگوں نے مذہب ایجاد کئے ہیں آپ بھی اس میں سے ایک ہو گئے

اور چند عبارات کو ترتیب دے کر مذہب کا تانا بانا بُن لیا ہے تو آؤ اسی پر بات ہو جائے کہ اگر یہ کلام جو آپ نے پیش فرمایا ہے انسانی ہے تو تم بھی انسان ہو اسی طرح کا کلام بنا کر پیش کرو سارا قرآن نہ سہی اس کی کسی چھوٹی سے چھوٹی صورت کے مقابل بنا لاؤ کھلے نہ سہی کہ مبادا ایسا کہدو کیا ہُوا اگر ہم پیش نہ کر سکیں تو دنیا میں ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو یہ کام کر دکھائیں تو بھئی اللہ کے سوا جسے چاہو بلا لو اور سب مل کر اس کی نظیر تو پیش کرو، عرب کا ماحول ایسا تھا کہ سینہ صحرا میں چند بستیاں جہاں نہ کالج نہ سکول بلکہ اونٹ اور بکریاں چرانا وہاں کے لوگوں کا پیشہ مگر اس کے باوجود قدرتی طور پر فصاحت و بلاغت اللہ نے ایسی عطا فرمائی تھی کہ ادنیٰ ادنیٰ سے لوگ ایسے عالی اشعار و مضامین کہہ جاتے تھے کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جاتے۔ ان ہی میں ایک ہستی جو ایک عالی خاندان میں پیدا ہوئی مگر یتیم جس نے کم عمری میں ہی والدہ ماجدہ کی مفارقت بھی دیکھی اور پھر دادا کی جُدائی برداشت کی دنیاوی اعتبار سے نہایت عُسرت میں بچپن گذرا اور کسی علمی مجلس یا شعر و شاعری کے مجمع میں کبھی شرکت نہ فرمائی بلکہ جس خاندان میں بچپن بسر فرمایا وہ بکریاں چراتے تھے اور جب آپ نے ہوش سنبھالا تو اپنے غریب چچا ابو طالب کی عیالداری کو دیکھ کر اس کی مدد کے لیے اُجرت پر بکریاں چرائیں نہ کبھی کوئی شعر کہا نہ قصیدہ لکھوایا بلکہ قدرتی طور پر ایسا مزاج ودیعت ہوا تھا کہ کبھی ان چیزوں کی طرف مائل ہی نہ ہوئے ہاں اُمّی محض ہونے کے ساتھ وہ اخلاقِ فاضلہ اور دیانت و امانت کے ساتھ وہ فہم و فراست کا امتزاج کہ ذاتِ اقدس سب کے لیے باعثِ تعظیم قرار پائی اور صادق و امین کہلائی اس طرح قوم کے ساتھ چالیس برس بسر کرنے کے بعد وہی ہستی ایسا کلام پیش فرمانے لگی جس کی فصاحت و بلاغت اور معنوی عظمت کے سامنے سب شعراء و ادباء کے کلام دھرے کے دھرے رہ گئے پھر اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اب آپ کی صداقت اور ذاتی شرافت ہی ایمان لانے کے لیے کافی تھی جیسا کہ ولید ابن مغیرہ نے اہلِ مکہ کے اجلاس میں کہا تھا کہ جو شخص چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہیں بولتا وہ یکایک اللہ پہ جھوٹ بولنا شروع کر دے یہ بات عقل تسلیم نہیں کرتی اس کے باوجود بھی اگر تمہیں اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ... اعدت للکٰفرین تو پھر اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کے مقابل کلام پیش کرو اور سارے مل کر لاؤ

جس میں یہ فصاحت و بلاغت بھی ہو جس میں پوری انسانی تہذیب بھی ہو جس میں سیاست و حکومت کی رہنمائی بھی ہو جس میں معاشرت اور تجارت بھی ہو خاندانی تعلقات سے بحث بھی ہو اور دوستی و دشمنی کا معیار بھی غرض قرآن کریم نے وسیع مضامین چند لفظوں میں سمو دیئے ہیں اور پھر الفاظ کی بندش اور عبارات کی روانی کہ اس سے بہتر کی بات ہی چھوڑ دو تم اس طرح کا اور اس کے مقابل کا کلام ہی بنا کر پیش کر دو اور اللہ کے سوا جس کو چاہو مدد کے لیئے بلا لو لیکن یاد رکھو کہ اگر ساری دنیا مل کر اس کی نظیر پیش نہ کر سکے جو یقیناً نہ کر سکے گی تو یہ کلام الٰہی ہے اگر کسی انسانی ذہن نے جمع کیا ہوتا تو یقیناً دنیا کے اور انسان بھی اس کا مقابلہ کرتے ممکن ہے اس جیسا یا اس سے بہتر مضمون کہہ لیتے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق باری اور صنعت انسانی میں بہت بڑا فرق ہے انسان جیٹ طیارے تو بنا سکتا ہے مگر مکھی نہیں بنا سکتا وہ اللہ ہی پیدا کر سکتا ہے بلکہ گھاس کا ایک تنکا قدرتی طور پر اُگ سکتا ہے کوئی مشین ان خصوصیات کا حامل نہیں بنا سکتی جب صنعت میں یہ ہے تو قرآن کریم تو اوصاف باری میں سے ہے اور اللہ کا ذاتی کلام ہے غیر مخلوق ہے کہ جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اسی طرح اس کی جملہ صفات قدیم ہیں اس کے مقابلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا دنیا کی بڑی بڑی کتابیں کسی ایک مضمون کو مکمل بیان نہیں کر پاتیں حالانکہ سب صرف پیدائش سے لے کر موت تک کی بات کرتے ہیں ان کے مقابل قرآن کریم جو قبل از پیدائش بلکہ اس کارگہ حیات کی تخلیق سے بھی قبل کی بات ارشاد فرماتا ہے اور پھر اس عالم کی تخلیق انسان کی پیدائش اس کی ضروریات اور ان کے پیدا کرنے کے طریقے تمدن و معاشرت سے بحث کرتا ہوا موت اور ما بعد الموت کے حقائق بیان کرتا چلا جاتا ہے اور اس مختصر سی دنیاوی زندگی کو آخرت کی اس ابدی زندگی کی بنیاد کے طور پر ذکر کرتا ہے جس کا بیان صرف اور صرف اللہ کی کتاب ہی کو زیبا ہے پھر اس کے ساتھ دنیا میں انسانی عقول نے بے شمار ڈھنگ اپنائے اور طرح طرح کے طرز حیات اختیار کیئے مگر ہے کوئی جو ایسا مثالی معاشرہ پیش کر سکے جو تعلیمات قرآنی پر عمل کرنے سے ظہور پذیر ہوا تھا یہ صرف حکایت نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو دشمنان اسلام بھی تسلیم کرنے کے سوا کوئی راہ نہیں پاتے پھر تہذیب

ایک وقت کی ضرورت ہے جب وقت گذرتا ہے ضرورتوں میں تبدیلی آجاتی ہے تو تہذیبیں بھی بنتی بگڑتی چلی جاتی ہیں انسان کا بنایا ہوا کوئی قانون ہمیشہ کے لئے کارآمد نہیں رہ سکتا بلکہ اکثر وہی قانون ساز ادارے یا افراد جو خود اس کو بناتے ہیں پھر اس میں تبدیلیاں پیدا کرتے چلے جاتے ہیں مگر قرآنی قوانین اور اس کی ارشاد کردہ تہذیب ابدی ہے نہ یہ جغرافیائی حدود کی پابند ہے نہ مرورِ زمانہ سے متاثر ہوتی ہے بلکہ ہمیشہ ہر دور میں اور ہر ملک میں ہر قوم کے لئے یکساں مفید اور قابلِ عمل ہے صرف یہی نہیں بلکہ آپ کو کسی معاشرے میں جہاں کوئی خوبی نظر آئے گی - ذرا غور کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ اس امر میں ان کا طریق کار وہی ہے جو قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے اس کے اصول اس قدر عظیم ہیں کہ اگر کافر بھی اپنائے تو آخرت میں ایمان نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہے مگر دنیاوی فوائد سے محروم نہیں رہتا۔ پھر اس کے ساتھ گذشتہ تاریخی واقعات کا جو صرف بڑے بڑے علماء یہود و نصاریٰ ہی سے مل سکتے تھے ایک ایسی ہستی نے ارشاد فرمائے! جس نے دنیا کے کسی مدرسہ میں قدم مبارک نہ رکھا تھا اور اس قدر درست ارشاد فرمائے کہ ان کی واقعی صورت آنکھوں میں پھر گئی چلو یہ تو گذشتہ کی بات تھی آئندہ کی خبریں دیکھ لو کس قدر صحیح اور سچ ثابت ہوئیں مثلاً رومیوں کی شکست جو بظاہر ایسی تھی کہ اب کبھی سر اٹھا سکیں گے مگر قرآن کریم نے خبر دی کہ یہ چند سالوں کی بات ہے پھر ان کو غلبہ حاصل ہوگا اس وقت یہ اس قدر محال نظر آتا تھا کہ کفار نے شرطیں لگائیں مگر ایسا ہو کر رہا یا صلح حدیبیہ کے وقت فتح قریب کی بشارت کہ مکہ بھی فتح ہو کر رہے گا اور انشاء اللہ مومنین حضورؐ کی رفاقت میں بے خوف و خطر عمرہ ادا کریں گے نہ صرف یہ بلکہ اس سے پیشتر ایک اور بہت بڑی فتح نصیب ہوگی ایک چودہ پندرہ سو افراد پر مشتمل لشکر جسے اہل مکہ عمرہ کرنے سے مانع ہیں ان سے صلح کرکے بغیر عمرہ کئے واپس ہو رہا ہے اور بظاہر ایسی شرائط صلح طے پائی ہیں کہ کفار پھولے نہیں سماتے اور مسلمان غمزدہ ہیں مگر قرآن نازل ہوتا ہے تو اسے فتح عظیم اور فتح مکہ کا پیش خیمہ قرار دے کر ایک اور بڑی فتح کی بشارت دے رہا ہے اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ حدیبیہ سے واپس آنے والا لشکر خیبر کو روند رہا ہے اور یہود کے قلعہ بند لشکروں کو تہ تیغ کرتا اور قلعوں کو روندتا ہوا اللہ کی عطا کردہ فتح پر سجدہ شکر ادا کر رہا ہے اور اس کے بعد فتح مکہ کا نظارہ کر لو اور قرآن کریم کی پیشگوئیوں کی صداقت دیکھ لو

چین کا سانس لیا تو صرف اور صرف اسلام کی گھنی چھاؤں میں ورنہ لوگ ہر طرف بارود کو آگ دکھا کر امن قائم کر رہے ہیں۔ گناہ صرف گنہگار کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ فاسق کا فسق روئے زمین پر تباہی کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کی نحوست کی وجہ سے دنیا میں تباہی و بربادی بپا ہوتی جس کے لئے وہ اپنے حصے کے مطابق جوابدہ ہے اور یہ سب کچھ کر کے وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں کہ اللہ کی زمین پر فساد پھیلانے والے کبھی اللہ کی بارگاہ میں سرخرو نہیں ہو سکتے۔ فرمایا اے لوگو تم اللہ کی عظمت کا اس کی ذات اور صفات کا انکار کس طرح کر سکتے ہو یعنی کبھی نہیں کر سکتے کہ تم تو تھے ہی نہیں اس نے تمہیں عدم سے پیدا فرمایا کیف تکفرون باللّٰہ وکنتم امواتا فاحیاکم ...... ثم الیہ ترجعون تم مردہ تھے تخلیقِ کائنات کے بعد بھی بے جان ذرات تھے مختلف اغذیہ میں تمہارا وجود منتشر تھا تمہارے وجود کے آبی جز دنیا کے پانیوں میں شامل تھے غرض کہ آگ مٹی ہوا اور پانی کے مختلف ذخائر میں تمہارا وجود دور دور تک منتشر اجزا پر مشتمل تھا پھر اس کی قدرت کاملہ نے ان کو مختلف مراحل پر جمع فرمایا اور تمہارا تخم سلب پدر میں اور سینہ مادر میں جمع کیا پھر وہاں سے تمہارے وجود کی تعمیر شروع فرما کر تمہیں ایک خوبصورت وجود عطا کر کے زندگی بخشی اور اس کا انجام بھی ایک موت ہے جو دوبارہ تمہارے اجزائے جسمانی کو منتشر کر دیتی ہے یہ بات اکثریت کے حکم پر ہے ورنہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارک سلامت رہتے ہیں۔ اسی طرح مشاہدہ سے ثابت ہے کہ شہدا کے اجسام ثابت رہتے ہیں۔ دراصل یہاں برزخ کی زندگی سے بحث نہیں کہ وہ ایک طرح سے عارضی قیام ہے نہ وہاں دار العمل ہے نہ دار الجزا بلکہ قیامت کا انتظار ہے اور قبر کا عذاب و ثواب دراصل اپنی اصلی حیثیت کے مطابق اس انتظار گاہ میں ٹھہرنا ہے سو یہاں صرف مستقل زندگی زیر بحث ہے کہ تمہارے اجزا کو جمع فرما کر تمہیں زندگی دی پھر موت دے کر تمہارے اجزا کو ویسے ہی دوبارہ بے جان بنا دیتا ہے اور پھر ایک دن ان سب کو جمع کر کے تمہیں پھر سے زندگی دے گا۔ جس کے بعد تمہیں کوئی فرصت عمل کی نصیب نہ ہو گی بلکہ

اسرار و معارف :

یہاں تک دعوت الی اللہ اور عبادات کا ضروری ہونا بطور شکر کے اور اس درجہ میں کہ اللہ کا حق ہے بندے پر ارشاد ہوا پھر اسکے نتائج اور نافرمانی کی سزا کا ذکر اس انداز میں تھا کہ اللہ تمہارا رب ہے خالق ہے مگر یہاں سے اسی دعوت پر دوسری دلیل شروع فرمائی اور ایک اور طرح سے دعوت فکر دی ہے کہ ابتدائے نوع انسانی کو دیکھو اللہ نے پیدائشی طور پر اسے کیا فضیلت بخشی اور کس طرح سے شیطان اس کے خلاف ہوا اب اگر تم اللہ کی اطاعت نہ کرو گے تو یقیناً تم اسی کے پیچھے چلو گے کہ دوسری راہ اسی کی ہے جو بحیثیت انسان بھی تمہیں کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ سو یہاں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تخلیق آدم سے پہلے اللہ کریم نے فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین میں ایک خلیفہ اپنا ایسا بندہ جو میرا حکم نافذ کرنے والا ہو ایک ایسی مخلوق جو میری پسند کے مطابق زمین پر بسے پیدا کرنا چاہتا ہوں زمین اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے دوسرے سیاروں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر اپنی اہمیت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے کہ تمام سیاروں کی توجہات کا مرکز ہے سورج ہو یا چاند بادل ہو یا ہوا حتیٰ کہ آسمان اور آسمانوں کے رہنے والے بھی اسی کے انتظام میں مصروف ہیں ستارے ہوں یا سیارے سب کی توجہ اسی کی طرف ہے اور یہ ان تمام توجہات کو قبول کر کے طرح طرح کے نتائج مرتب کر رہی ہے یہاں بیک وقت آتش فشاں آگ اگل رہے ہیں تو برف کے پہاڑ بھی کھڑے ہیں اگر صحراؤں میں ریت اڑتی ہے تو باغوں میں پھول بھی کھلتے ہیں ایک طرف رات چھا رہی ہے تو دوسری طرف روز روشن بھی موجود اگر خشک سالی آتی ہے تو برسات بھی آتی ہے خزاں ایک طرف ہے تو دوسری طرف بہار بھی ہے سونا چاندی کے ذخائر ہیں تو جواہرات سے بھی اٹی پڑی ہے ہر طرح کے بیج کو اگانے کی کی صلاحیت لئے ہوئے ہے طرح طرح کے پھل دے رہی ہے ادنیٰ کیڑے سے لے کر پہاڑ جیسے جسیم جانوروں کے من بھاتے کھاجے پیش کرتی ہے اگر اس میں درندے ہیں

خالق حقیقی کے پاس لوٹ کے جانا ہوگا۔ اس کی بارگاہ میں حاضری دینا ہوگی اس کی پیشی میں کھڑا ہونا ہوگا ھوالذی خلق لکم ـــــــ وھو بکل شیٔ علیم وہ ایسی کریم ذات جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہاری خاطر سے اور تمہاری خدمت کیلئے پیدا فرمائیں صرف اور صرف تمہاری خدمت کرنے کو تمام چیزیں پیدا کردیں اور پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی تو انہیں ٹھیک ٹھیک سات درجوں میں درست فرمایا اور وہ ہر شے سے واقف ہے یعنی یہ ارض وسما یہ ان کی نعمتیں دن رات سورج چاند پھل پھول کھیتی باڑی دریا سمندر بجلی اور ہوا یہ سب قوتیں مخلوق ہیں اسی نے پیدا فرمائی ہیں جو تمہارا خالق ہے تمہاری خدمت کے لئے پیدا کی ہیں اب کس طرح سے جائز ہوسکتا ہے کہ تم اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی خدمت پر مامور مخلوق کو اپنا معبود بنالو اور پھر لطف یہ کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ بھی رہا ہے ہر شے سے ہر وقت واقف ہے اور تمہیں بالآخر اس کی بارگاہ میں پیش ہوکر اپنی زندگی کا حساب بھی دینا ہے۔

رکوع ۴ :-

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ
خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ
فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا
سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝
قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ
الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا
رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ
فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی
حِیْنٍ ۝ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِیْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی
فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع

ترجمہ :

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب ۔ فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں

کے اور خونریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ بحمد اللہ اور تقدس کرتے رہتے ہیں آپ کی۔ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔ اور علم دے دیا اللہ تعالےٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو (ان کو پیدا کرکے) سب چیزوں کے اسماء کا۔ پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ تبلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع ان کے آثار و خواص کے) اگر تم سچے ہو فرشتوں نے عرض کیا آپ تو پاک ہیں ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ ہم کو آپ نے علم دیا بے شک آپ بڑے علم والے ہیں حکمت والے ہیں کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر فہم و علم عطا فرمایا) حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم ان کو ان چیزوں کے اسماء تبلا دو سو جب تبلا دیئے ان کو آدم نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالےٰ فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس بات کو دل میں رکھتے ہو اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی) کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے سو سب سجدے میں گر پڑے بجز ابلیس کے اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔ اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدمؑ رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی ان ہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ پھر لغزش دے دی آدم اور حواؑ کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو تم میں سے بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر چندے ٹھیرنا ہے اور کام چلانا ایک میعاد معین تک۔ بعد ازاں حاصل کر لئے آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالےٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر (یعنی توبہ قبول کر لی) بے شک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہو گا ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

اسرار و معارف :

یہاں تک دعوت الی اللہ اور عبادات کا ضروری ہونا بطور شکر کے اور اس درجہ میں کہ اللہ کا حق ہے بندے پر ارشاد ہوا پھر اسکے نتائج اور نافرمانی کی سزا کا ذکر اس انداز میں تھا کہ اللہ تمہارا رب ہے خالق ہے مگر یہاں سے اسی دعوت پر دوسری دلیل شروع فرمائی اور ایک اور طرح سے دعوت فکر دی ہے کہ ابتدائے نوع انسانی کو دیکھو اللہ نے پیدا کتنی طور پر اسے کیا فضیلت بخشی اور کس طرح سے شیطان اس کے خلاف ہوا اب اگر تم اللہ کی اطاعت نہ کرو گے تو یقیناً تم اسی کے پیچھے چلو گے کہ دوسری راہ اسی کی ہے جو بحیثیت انسان بھی تمہیں کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ سو یہاں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تخلیق آدم سے پہلے اللہ کریم نے فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین میں ایک خلیفہ اپنا ایسا بندہ جو میرا حکم نافذ کرنے والا ہو ایک ایسی مخلوق جو میری پسند کے مطابق زمین پر بسے پیدا کرنا چاہتا ہوں زمین اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے دوسرے سیاروں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر اپنی اہمیت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے کہ تمام سیاروں کی توجہات کا مرکز ہے سورج ہو یا چاند بادل ہو یا ہوا حتیٰ کہ آسمان اور آسمانوں کے رہنے والے بھی اسی کے انتظام میں مصروف ہیں ستارے ہوں یا سیارے سب کی توجہ اسی کی طرف ہے اور یہ ان تمام توجہات کو قبول کر کے طرح طرح کے نتائج مرتب کر رہی ہے یہاں بیک وقت آتش فشاں آگ اگل رہے ہیں تو برف کے پہاڑ بھی کھڑے ہیں اگر صحراؤں میں ریت اڑتی ہے تو باغوں میں پھول بھی کھلتے ہیں ایک طرف رات چھا رہی ہے تو دوسری طرف روز روشن بھی موجود اگر خشک سالی آتی ہے تو برسات بھی آتی ہے خزاں ایک طرف ہے تو دوسری طرف بہار بھی ہے سونا چاندی کے ذخائر ہیں تو جواہرات سے بھی اٹی پڑی ہے ہر طرح کے بیج کو اگانے کی کی صلاحیت لئے ہوئے ہے طرح طرح کے پھل دے رہی ہے اونی کپڑے سے لے کر پہاڑ جیسے جسیم جانوروں کے من بھاتے کھاجے پیش کرتی ہے اگر اس میں درندے ہیں

تو وہیں ہرنوں کی داریں چوکڑیاں بھرتی ہیں۔ غرضیکہ عرش سے فرش تک جس قدر باقی اجرام ہیں سارے اسی کی طرف متوجہ ہیں اور یہ زمین دراصل ان سب کا حاصل ہے تو اس پر اللہ کریم نے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا جو اس کی نیابت کا حق ادا کرے اس کے نظام کو اس طرح چلائے کہ اللہ کی پسند کے مطابق ہو یہاں فی الارض سے اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ زمین پر تو اپنی بساط کے مطابق انسان تصرف کر سکتا ہے اس کے علاوہ سیاروں پر نہیں مثلاً سورج کی شعاع جو زمین پر آتی ہے اسے تو استعمال کر سکتا ہے سورج کی روشنی کو نہیں بدل سکتا اسی طرح چاند سے جو چیزیں زمین پر منعکس ہو رہی ہیں ان پر تصرف کا حق رکھتا ہے خود چاند پر نہیں کہ خلیفۃ فی الارض ہے یہی حال دوسرے سیاروں کا ہے ورنہ اگر ان پر بھی اس کا بس چل جائے تو جانے کیا غضب ڈھائے زمین پر بھی خلیفہ ہے اس لئے عطا کردہ اختیارات کے اندر تصرف کر سکتا ہے جس شے کا اختیار بخشا ہی نہیں گیا اس میں دخل نہیں دے سکتا جیسے خود زمین ہی کی گردش میں ردوبدل اس کے بس میں نہیں وَمِثلُ ذالک کہ خلیفہ خود با اختیار نہیں ہوتا بلکہ دیئے گئے اختیارات کو استعمال کرتا ہے تو یہ سب سے پہلی فضیلت انسان کے حصے میں آئی کہ اس سیارے پر جو سب سیاروں کا حاصل تھا اسے نیابت الٰہی کا منصب عطا ہوا یعنی اپنے حاصل شدہ اختیارات کے اندر رہ کر اس پر بسنے والی ساری مخلوق پر حکومت کرنا اور یہ کوئی معمولی منصب نہیں تھا۔ ملائکہ نے عرض کی بارالٰہ تجھے تو کوئی احتیاج نہیں ہے پھر ایسی مخلوق کیوں پیدا فرماتا ہے جسے تو پسند و ناپسند کی قوت دے گا جب ان کی پسند میں اختلاف ہوگا تو اپنی پسند دوسرے پر ٹھونسنے کے لئے جبر کریں گے لڑیں گے خونریزیاں ہوں گی اور فساد پیدا ہوگا یہ غالباً وہ پہلے تجربے کی بنا پر عرض کر رہے ہوں گے کہ قبل ازیں زمین پر جنات موجود تھے جو کسی حد تک اپنی پسند کے مالک تھے تو اکثر بگڑ جاتے فسق و فجور سے زمین کو بھر دیتے اللہ کریم آسمانوں سے فرشتے ان کو سزا دینے کے لئے روانہ فرماتے جو انہیں تباہ و برباد کر دیتے اور صرف نیک جنوں کو چھوڑتے پھر رفتہ رفتہ وہ اسی حال کو پہنچ جاتے یہ ابلیس بھی ان ہی میں کا ایک جن تھا جو نہایت عابد و زاہد تھا حتیٰ کہ اکثر فرشتوں کے ساتھ آسمانوں پر رہتا

تھا۔ توسب نے عرض کی اللہ یہ نئی مخلوق بھی کچھ ایسے ہی گل کھلائے گی ہم جو تیری بارگاہ میں حاضر ہیں تیری حمد و ثنا کرتے ہیں ہر وقت تسبیح و تقدیس کرتے اور ہمیشہ اطاعت کرتے ہیں جو تیری مخلوق کے لئے بھی باعث رحمت ہے جب ایک ایسی مخلوق موجود ہے جو قطعاً نافرمانی نہیں کر پاتی تو پھر دوسری مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا راز ہے فرمایا میں جانتا ہوں تمہارے علم کی وہاں تک رسائی نہیں۔ دراصل ساری مخلوق ایک مقررہ نظام میں پابند ہے اس کا دائرہ کار مقرر ہے وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتی یعنی حکم الٰہی کی اطاعت کرتی ہے معرفت حاکم کا وہ شعور نہیں رکھتی کہ اس پر قربان ہو نہ اپنے دائرہ کار میں ایسا اختیار رکھتی ہے کہ اسے رد و بدل کرے مگر اللہ نے ایک ایسی مخلوق کو پیدا فرمایا جو اپنے دائرہ کار میں آزاد ہو پسند و ناپسند کا اختیار رکھتی ہو اس کے سامنے کائنات کا حسن ہو اور وہ ذوق جمال رکھتی ہو۔ پھر اسے جمال باری اور عظمت باری کے حصول کی قوت عطا کی جائے جب اللہ کو پہنچاننے کی طاقت پائے اس کے جمال سے سیراب ہو تو پھر اپنی خواہشات کو اس کے حکم پر قربان کردے جو نہ صرف حکم کی مطیع ہو بلکہ حاکم پر قربان ہو رہی ہو سو آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں یہ تونیں عطا کیں تسخیر کائنات کیلئے ضروری علم بخشا جس قدر چیزیں انسانی ضرورت اور حصول کمال کے لئے تھیں جسمانی ہوں یا روحانی سب کا علم عطا فرمایا۔ دراصل علم مجموعہ اسماہی تو ہے ہر لفظ کسی شئے کا یا کسی کام کا نام ہی تو ہے غرض جس قدر علم اس کائنات میں بسنے کے لئے یا اس کی چیزوں کو استعمال کرنے کے لئے یا قرب الٰہی کو پانے کے لئے آدمیت کو چاہیئے تھا وہ حضرت کو بخش دیا۔ گویا لغت بھی من جانب اللہ عطا ہوئی ہے اب فرشتوں کو حکم ہوا کہ آؤ اور دنیا کے ان کمالات پر بات کرو۔ ان سب چیزوں کے نام بتاؤ ان کی خصوصیات اور طرز استعمال کی بات کرو۔ بھلا وہ کیسے کرتے کہ فرشتے کو جو کام عطا ہوا ہے علم بھی تو اسی حد تک ہوگا جس کے ذمے بادلوں کا اہتمام ہے اسے پہاڑوں کے علم سے کیا سروکار اور جس کا کام رزق تقسیم کرنے سے ہے اسے دوسرے معاملات کی کیا خبر یا جو شئے انہیں نصیب ہی نہیں اس کے بارے کیا کہیں بھوک کی تکلیف اور شکم سیری کی کیفیت سے انہیں کیا

عنصر گرمی و سردی کے خواص اور اثرات کو وہ کیا جانیں کہ غالباً ان کا علم بھی ان کے متعلقہ شعبے تک ہے تو عرض کی بار الہٰ تو پاک ہے تیری شان بہت بلند ہے تیرے علوم میں کسی طرح کی کمی نہیں ہم تو ایسے نہیں ہیں ہم تو وہ بات عرض کرنے کی طاقت رکھتے ہیں جو تو نے ہمیں بتائی ہمارا علم تو تیرا محتاج ہے احتیاج سے پاک تو صرف تیری ذات ہے تو سب کچھ جانتا ہے ہم کچھ نہیں جانتے سوائے اس کے جس کا علم تو نے ہمیں بخشا ہے پھر حکم ہوا کہ لے آدم علیہ السلام ان کے سامنے ان اشیاء کے نام یعنی یہ کیا چیزیں ہیں کس مصرف کی ہیں بیان فرمائیے تو جب انہوں نے بیان فرمایا کہ انہیں تو یہ سب عطا ہوا تھا۔ تو اللہ نے فرمایا دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کے پوشیدہ راز اور حکمتیں میں جانتا ہوں میرا علم کسی کے بیان کا محتاج نہیں ہیں تو وہ بھی جانتا ہوں جس کا تم اظہار کرتے ہو اور وہ بھی جس کا اظہار نہیں کیا جاتا یعنی میرا علم کسی کے بیان کا محتاج نہیں بلکہ جیسا ظاہر کو جانتا ہوں اسی طرح باطن سے بھی واقف ہوں دیکھا میں نے کیسی مخلوق پیدا فرمائی جو علوم کی جامع ہے زمینی اور آسمانی بھید سے واقف و آگاہ تعمیر ظاہر و باطن کی عالم اشیاء اور علم الاشیاء سے آگاہ یہ ہے وہ ہستی جو میری ذات کی معرفت کی استعداد رکھتی ہے جس طرح زمین تمام سیاروں کا خلاصہ اور سب کی توجہات کا مرکز ہے ایسے ہی یہ مخلوق ساری مخلوق کا خلاصہ ان کی توجہ کا مرکز اور ان میں ممتاز مقام کا حامل ہے جو زمین پہ میری نیابت و خلافت کی سزاوار ہے۔

اور پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرو۔ ہماری شریعت میں سجدہ ایک شرعی اصطلاح ہے آدمی باوضو ہو قبلہ رخ ہو دونوں پاؤں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ قبلہ رخ زمین پر ہوں ناک اور پیشانی زمین پر ہو تو یہ حالت سجدہ کہلاتی ہے اور یہ غیر اللہ کے لئے خواہ انسان ہو یا فرشتہ یا کوئی سی مخلوق قطعاً جائز نہیں یہ صرف اور صرف اللہ کے لئے جائز ہے اور اس کا انسانوں پہ حق ہے وہی معبود و مسجود برحق ہے مگر اصطلاح لغت میں اسی ادب و تعظیم کو جو غلام آقا کیلئے خادم بادشاہ کے لئے بجالاتے تھے سجدہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا حکمران یا آقا کو رب بمعنی سردار کہا جاتا تھا یہی حال اس اصطلاح کا بھی تھا یہ تو شریعت اسلامیہ کا کمال ہے کہ ان افعال ہی کو سرے سے اٹھا دیا جو موہم شرک ہو سکتے تھے پہلے یہ حال نہ تھا

نیز وہ ابتداً تھی نوع انسانی کی زندگی کی اب کائنات کی منتشر قوتوں کو یکجا کرنا یا انہیں مختلف کاموں پہ لگانا تنہا انسان کا کام نہ تھا بلکہ اس میں اس کو ان ملائکہ کے تعاون کی ضرورت تھی جو ان امور پر مقرر ہیں۔ بلکہ خود انسان اپنی ذات اور اپنے وجود میں ان فرشتوں کے تعاون کا محتاج ہے جو اس کے بدن کے مختلف حصوں کا کام برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی تھانویؒ زیر آیت ان کل نفس لما علیھا حافظ۔ فرماتے ہیں کہ ہر وجود پر بے شمار فرشتے مقرر ہیں غذا کو چبانے کے فعل پر علیحدہ حلق سے اتارنے والے اور معدے میں حل کرنے والے دوسرے اس سے خون گوشت ہڈیاں بنانے والے دوسرے فضلات کے اخراج پر کوئی اور اس طرح آنکھ کان ناک دماغ دل غرضیکہ ہر ہر فعل پر فرشتے مقرر ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی اور بہت باریک پرزوں والی مشین ہے جس پر بہت سے کاریگر مقرر ہیں جب کوئی بیماری آتی ہے تو اس جگہ کا کاریگر بحکم الٰہی اپنا کام روک دیتا ہے۔ جو خرابی صحت کا سبب بنتا ہے اب انسان کو ان سب کے تعاون کی ضرورت تھی یہ تو اس کے وجود کا حال ہے ساری کائنات میں یہی حال ہے ہوا پانی گیس تیل معدنیات یا فلکیات سیارے ستارے ان کے اثرات بادل بارش وغیرہ میں ان پر مامور فرشتوں کے تعاون کا محتاج تھا سو اللہ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ یہ میرا نائب میرا خلیفہ ہے میری دنیا میں جو بھی یہ کرے گا تمہیں اس کی راہ روکنے کا اختیار نہیں حتیٰ کہ یہ کسی کو گولی مار دے تو تم بجائے اعتراض کرنے کے اس کا روح قبض کرو گے تو گویا ادبی اصطلاح میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اسجدوا لآدم اور اگر یہ کہا جائے کہ گو مقصد تو یہی تھا مگر سجدہ ضرور کیا گیا تو کیا حرج ہے اب بھی تو بیت اللہ کو سجدے کئے جاتے ہیں حالانکہ اس میں سوائے گارے اور پتھروں کے اور کیا رکھا ہے مگر مسجود بیت اللہ نہیں وہ ہے جس نے اپنی ذات کو سجدے کرانے کیلئے بیت اللہ کو قبلہ مقرر کر دیا ہے اور اسے مہبط تجلیات بنا دیا ہے اگر گارا اور پتھر مسجود ہیں تو کیا انہیں وہاں سے اکھیڑ کر کسی اور جگہ مکان بنا دیا جائے تو کوئی مسلمان سجدہ کرے گا ہرگز نہیں یہی حال یہاں ہے کہ اس کی ذات فرشتوں کے ادراک سے بھی ورا الورا ہے سجدہ اسی کو ہو رہا ہے۔ جو

مسجودِ خلائق ہے مگر قبلہ حضرت آدم ہیں کہ اس ملک تک رسائی کا واسطہ اور ذریعہ صرف آدم علیہ السلام ہی ہیں کہ یہی نبوت کے تاج سے سرفراز کئے گئے اور نبوت واحد راستہ ہے جو اللہ سے ملاتا ہے مگر اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تعظیمی سجدے کئے جائیں۔ میرے خیال کے مطابق تو اسے دلیل بنانے والوں کو صرف یہ سوچنا کافی ہے کہ کیا ہم آدم علیہ السلام کے اتباع کے مکلف ہیں یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیز جو دلیل والدین اور بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کی دی جاتی ہے وہ بھی صحیح نہیں کہ اول تو ہم اس کے مکلف نہیں دوسرے وہ بھی وہی تعظیم تھی جو بادشاہوں کو دی جاتی ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انتہائی خوشی کے اظہار کے لئے دی ورنہ یعقوب علیہ السلام جیسا محبت کرنے والا ضعیف العمر باپ یوسف علیہ السلام جیسا نبی حسین جمیل کریم بیٹیا اور اس سے اپنے سامنے اصطلاحی سجدہ کروا رہا ہے یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی۔ واللہ اعلم خیر بہرحال فرشتوں سے آدم کی غلامی کا عہد لیا گیا جیسے کوئی بھی آج کا صدر جب گورنر مقرر کرتا ہے تو پورے صوبے کی انتظامیہ اس کی اطاعت پہ کمر بستہ ہو جاتی ہے وہ غلط حکم دے رہا ہے یا صحیح اس بات سے انکو سروکار نہیں یہ مقرر کرنے والا جانے اور وہ جانے مگر جب صدر اسی کی گرفتاری کا حکم دے دے تو پھر فوراً سب کی آنکھ بدل جائے گی اور اسے کشاں کشاں لے جائیں گے۔ یہی حال یہاں ہے انسان جو کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے اختیارات کی حدود کے اندر سب ہوتا چلا جاتا ہے۔ ورنہ زانی کی قوتیں اگر بوقت زنا جواب دے جائیں چور کے پاؤں چوری کی طرف نہ چلتے یا کائنات کی اشیاء کے استعمال میں برائی پہ اس کا ہاتھ رک جاتا تو یہ مکلف نہ رہتا بلکہ مجبور محض کہلاتا۔ سو اب فرشتے خواہ ان کے مزاج کے کس قدر خلاف بھی کام ہو سدِ راہ نہیں بنتے جب تک روکنے کا حکم حاکم اعلیٰ نہ دے غرض سب فرشتوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ مگر ایک ابلیس کہ اگرچہ فرشتہ نہ تھا مگر مقیم فرشتوں ہی میں تھا اس بات سے انکار کر گیا اور اکڑ گیا۔ ابیٰ واستکبر۔ یہ ایک جن تھا جس کی وضاحت خود قرآن نے کر دی ہے کان من الجن مگر بہت عابد و زاہد تو چونکہ جنات بھی جسم لطیف رکھتے ہیں انہیں آسمانوں پر جانے کی قوت تخلیقی طور پر تھی حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نے انہیں

آسمانوں پر جانے سے روک دیا اور بحکم الٰہی ان پر پابندی لگ گئی ورنہ تب تک جاتے آتے رہتے تھے کہیں سے فرشتوں نے بھگا دیا کوئی نہ کوئی بات سن لی کچھ اپنے پاس سے باتیں ملائیں اور کاہنوں کے کان بھر دیئے سو پیدائش آدم علیہ السلام سے پیشتر تو تھے ہی یہی بدکاروں کو کئی دفعہ سزا ملی اور مار پڑی مگر یہ ایسا عابد و زاہد نکلا کہ فرشتوں کی صف میں شامل کر لیا گیا بلکہ اکثر اوقات سرکش جنوں کی سرکوبی کیلئے یہ بھی فرشتوں کو ہمراہ لے کر آتا۔

زراہ تفاخر بفوج ملک۔ گہے بر زمین بود گہ بر فلک۔ تو جب اطاعت کا حکم ہوا تو یہ اکڑ گیا اور انکار کر گیا کیوں اللہ فرماتا ہے کہ یہ تھا ہی کافروں میں سے وکان من الکافرین یہاں ہو گیا کافروں میں سے ترجمہ بجتا نہیں اگر ایسا ہو تو خدا کیلئے بدا لازم آئے گا کہ جب کافر ہو چکا تب اللہ کو علم ہو سکا بلکہ اللہ کے علم ازلی میں یہ بات موجود تھی کہ یہ حقیقتاً کافر تھا۔ وقتی طور پر اس کے جذبات اگر مائل بہ اطاعت تھے تو حصولِ اقتدار کی خاطر جب تک امتحان نہ ہوا ترقی کرتا رہا جیسے ہی امتحان میں قدم رکھا۔ وہ حقیقت جس کو صرف اللہ جانتا تھا واضح ہو گئی اور سب جان گئے کہ کافر ہو گیا مگر اللہ نے فرمایا یہ تھا ہی کافر کہ اس کے دل میں اپنی ذات اور حیثیت کے بارے غلطی موجود تھی۔ یہ اپنا وجود بھی منوانے کا خواہشمند تھا حالانکہ ذات باری کے سامنے ساری مخلوق نہ ہونے کے برابر ہے بنایا اس نے تعمیر وہ کر رہا ہے اور قائم اسی کے آسرے پر ہیں پھر اس کو کیسے آنکھیں دکھا سکتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ ہاں وہ اللہ کریم ہے کہ اس نے عاجز مخلوق کو ذلیل ہونے سے محفوظ رکھا اور مخلوق کے سامنے مخلوق کی عزت نفس کو برقرار رکھا صرف اور صرف اپنی ذات کے سامنے جھکنے کا حکم دیا ہے ادب اور شئے ہے اور ضروری کہ ہر ہستی کی ذمہ داری علیحدہ اسی کے لحاظ سے اس کا رتبہ علیحدہ مگر سب کے اپنے حقوق ہیں اور بحیثیت مخلوق سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز کوئی مخلوق کسی دوسری مخلوق کی عبادت پر مجبور نہیں بلکہ ایسا کرنا سخت ترین جرم اور اللہ کی صفت اس کی عظمت کے مظہر کی توہین ہے یہاں اطاعت آدم بھی بالکل خدا کی اطاعت ہے اسی لئے قرآن جا بجا فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ کہ کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو کہ میں کسی انسان کی غلامی بے چوں وچرا کیوں کروں یہ غلامی انسان کی نہیں بلکہ اللہ کی ہے اور یہ فخر انسانیت عظیم ترین انسان ہمارا باعث

بڑا محسن کہ ہمارے خدا کے ارشادات ہم تک پہنچانے والا ہے اور کوئی جب تک تہ دل سے اس بات کو تسلیم نہ کرے تب تک حقیقی مومن نہیں بن سکتا۔ اگرچہ زبانی کلمہ پڑھنا دنیا کے سامنے اس کے مسلمان ہونے کو کافی ہے احکام اسلام کے جاری ہوں گے۔ حقوق مسلمانوں جیسے رکھے گا مگر کب تک آخر کفر ظاہر ہو جائے گا کسی کا دنیا میں ہی مذہب چھوڑ دینے پر اور کسی کا موت آنے پر قبر میں جانے پر بہر حال جب تک دل ایمان قبول نہ کرے اللہ کے نزدیک وہ کافر ہی رہے گا۔ اگرچہ بظاہر اسلامی حقوق سے فائدہ اٹھاتا رہے یہاں یہ بھی ظاہری عبادت سے فوائد حاصل کرتا رہا۔ جیسے اب بھی لوگ بظاہر وظائف کا سکہ جما کر پیر بن جاتے ہیں یہ بھی پیر بن گیا مگر قلعی کھل گئی جیسے نقال پیروں کی موت انہیں حقیقت سے سامنا کرنے پر مجبور کر دے گی اس کو تخلیق آدم نے ابتلا میں ڈال دیا اور دل کی بات زبان پر آگئی کوئی عالم ہو یا عابد پیر ہو یا خطیب، جرنیل ہو یا حاکم سب کو سب کچھ اللہ کی طرف سے ملا ہے کم از کم اللہ کے سامنے اکڑنا تو زیب نہیں دیتا اور یہی شیطنت ہے ہم اکثر اس میں مبتلا ہیں اگر کوئی شخص طریق سنت کو چھوڑ کر اپنے رسوم و رواج کو اپناتا ہے تو در اصل اسی خبث باطنی کا پتہ دیتا ہے کہ دل میں وہ سمجھتا ہے رسول اللہ نے جو طریقہ فرمایا ہے میں اس سے بہتر جانتا ہوں چاہیے کہ اس مرض کا کھوج لگایا جائے اور اسے دل سے دور کیا جائے۔ کسی صاحب دل کو تلاش کریں اور دل کا علاج کرائیں کہ اس میں اپنے فخر اور تکبر کی جگہ پر اللہ کی عظمت جاگزیں ہو یہ کام کمالات نبوت میں سے ہے اور نبی کے صحیح جانشینوں سے مل سکے گا جو وراثت نبوی کے حامل ہوں گے ورنہ یہ جنس نایاب ہے نبوت کی متاع اصلی یہی کمال ہے کہ دلوں کو مہبط تجلیات بنا دیتا ہے اور اس کے ورثا وہی لوگ ہیں جو اپنی حیثیت کے مطابق یہ کمال رکھتے ہوں ورنہ سب دھوکہ بازی ہے نقلی رنگ ہے جو ایک نہ ایک دن اتر جائے گا۔

وقلنا یا ادم اسکن انت وزوجک الجنۃ وکلا منھا رغدا حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین اب تربیت شروع ہوئی آدم علیہ السلام کی کہ دنیا میں کیسے بسنا ہے اسی لئے یہ نہ فرمایا کہ اب تم جنت ہی میں رہو بلکہ فرمایا اسکن یعنی ڈیرا رکھو جنت میں یہاں لباس استعمال کرو کھاؤ پیو میاں بیوی دونوں گھر بساؤ اور طریقہ زندگی

تو حاصل کرو یہاں تو جو بھی آتا ہے پہلے بسنے والوں سے سیکھتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے رہنا ہے مگر وہ کہ پہلے انسان تھے نیز نبی براہ راست اللہ سے تربیت حاصل کرتے ہیں فرمایا یہاں رہو مگر دنیا دار ابتلا ہے وہاں پابندیاں بھی ہوں گی سو یہاں بھی ایک پابندی ہے جو چاہو کھاؤ پیو مگر اس ایک درخت کے قریب مت جانا۔ اگر ایسا کیا تو غلط کرنے والے قرار پاؤ گے۔ ظلم ہوتا ہے وضع الشیئ فی غیر محلہ کسی چیز کو اصل جگہ سے ہٹا دینا اسی لئے شرک سب سے بڑا ظلم ہے سو غلطی کرنے والے ہو جاؤ گے اب وہ درخت کیا تھا اور کیا نہیں تھا اس کی وضاحت نہیں ملتی غالباً اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں جو شے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں کی اس میں دخل دینے کا کسی کو کیا فائدہ ہو سکے گا۔ سو یہ ایک امتحان بھی مقرر ہو گیا اور فی الحال رہائش کا اہتمام بھی یہ قیام جنت ایسا نہ تھا جیسا ابعد قیامت ہو گا۔ وہاں تو خلود کی بشارت ساتھ ہے یہاں صرف اسکن ہے کہ یہاں ٹھہر جاؤ سو حضرت آدم نے ڈیرے ڈال دیئے اور وہاں رہنا شروع کیا خوب مزے سے کھاتے پیتے سیر کرتے مختلف جگہوں میں پھرتے کہ اور تو کوئی پابندی نہ تھی یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے یہ اجتماعی عقیدہ ہے نیز اگر نبی سے عصمت اٹھا دی جائے کسی آن کسی لمحہ بھی تو سارا دین ناقابل اعتماد ہو جاتا ہے کہ نہ جانے کس کام کے کرنے کے وقت خطا صادر ہو گئی ہو اس سب کے باوجود یہاں ایک غلطی کے صدور کا ذکر بھی ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا جنت دار ابتلا ہے اور جنتیوں پر جنت میں رہتے ہوئے کوئی کام منع بھی ہے ہرگز نہیں بلکہ ان کے مزاج ایسے ہوں گے کہ فطرتاً ہر اچھا کام ہی کریں گے جیسے انبیاء دنیا میں نیز جنت میں کوئی ایسا درخت بھی ہے جس کا کھانا ان کو مضر ہو گا یا وہ کڑوا کسیلا ہے یا زہر آلود ہے ہرگز نہیں تو پھر تخصیص حضرت آدم علیہ السلام ہی کے ساتھ کیوں اس لئے کہ وہ بطور انعام ہمیشہ کے لئے جنت میں نہ ٹھہرائے گئے تھے بلکہ وہاں رہ کر دنیا میں آنے کی تیاری کر رہے تھے وہ مدرسہ تھا جس کا معلم خود خدا تھا اور انہیں سکھایا جا رہا تھا کہ دنیا میں اس طرح نعمتوں کے ساتھ کچھ پابندیاں بھی ہوں گی ایک دشمن بھی تاک میں رہے گا جس کی بات آپ نے نہیں سننی

اور پھر ان کا عملی تجربہ بھی ہو گیا کہ شیطان نے انہیں دھوکہ دے لیا۔ فازلھما الشیطن
۔۔۔ ومتاعٌ الی حین۔

کہ آسمانوں پر شیطانوں کا جانا تو بند نہ ہوا تھا۔ ممکن ہے آسمان پر سے بات کرتا رہا ہو کہ
بہت میں جلتی آخر دوزخیوں کی بات بھی تو سنیں گے انہیں دیکھیں گے نیز دوزخی بھی دیکھ
سن رہے ہوں گے افیضوا علینا من الماء اور وہ جواب دیں گے ان اللہ حرمھما
علی الکفرین تو عین ممکن ہے اس نے کہیں دور سے بات کی ہو۔ پھر ساتھ قرآن فرماتا ہے
فنسی آدم فلم نجد لہ عزما کہ آدم علیہ السلام بھول گئے۔ نیز اس نے اللہ کی قسم کھا
گئی دقاسمھما تو سمجھے کہ بھلا خدا کی قسم بھی کوئی غلط بات پہ کھا سکتا ہے تو اسی سہو نسیان
میں وہ پھل کھا لیا جس پر حکم ہوا کہ اب آپ یہاں سے تشریف لے جائیے اور خوب یاد
رکھئے کہ آپ کو مقرر وقت تک دنیا میں رہنا ہے جہاں آپ کیلئے ہر طرح کا سامان موجود
ہے مگر یہ بھی خوب یاد رہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جن میں کبھی صلح نہیں ہو سکی یہ
حضرت آدم علیہ السلام دنیا پر کوئی سزا دے کر نہ بھیجے گئے تھے بلکہ وہ تو پیدا ہی خلیفۃ اللہ
فی الارض کئے گئے تھے۔ مگر اس ذرا سی بھول نے قلب پیغمبر کو مضطر کر دیا۔ نیز آدم علیہ السلام
اور اماں حوا بہت دور دور اتارے گئے گویا یہ مصیبت اس پر ضرور مرتب ہوئی۔ حالانکہ وہ
حکم نہ شریعت تھا اور نہ جنت دار التکلیف یہاں سے سلوک کا مسئلہ سمجھ میں آتا ہے کہ ولی
کا کشف و الہام اگرچہ دوسروں پر حجت نہیں مگر وہ خود اگر اس پر عمل نہ کرے گا تو دو نقصان
ضرور ہوں گے۔ اگرچہ ایمان محفوظ رہے گا۔ پہلا مقامات میں تنزل اور دوسرا دنیاوی مصائب
یہ یاد رہے کہ کشف و الہام حدود شرعی سے متصادم نہ ہو ورنہ خود اس کا وجود ہی ثابت نہ
ہوگا۔ اب مصیبت کا دور شروع ہوا تو پھر متوجہ الی اللہ ہی ہوئے کہ یا اللہ اب کیا کروں
ان کی خاموشی مسلسل سوال بن گئی جس کے جواب میں فتلقی آدم من ربہ کلمت فتاب علیہ
انہ ھو التواب الرحیم اللہ ہی نے کچھ کلمات تعلیم فرمائے من ربہ یعنی یہ اس
کی شان ربوبیت ہے کہ جس قدر علوم انسان کیلئے ضروری ہوں عطا فرماتا ہے جیسے غذا
اور دیگر ضروریات ہاں حوصلے حوصلے کی بات ہے جیسے دال پہ مطمئن رہنے والوں کو زبردستی

قوت نہیں کھلاتا اسی طرح بغیر طلب کے علوم بھی عطا نہیں فرماتا اور طالب کو کبھی محروم نہیں فرماتا۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اوراد و وظائف بھی وہی مفید ہوں گے جو اللہ کی طرف سے ہوں اور اللہ کے نبی نے بتائے ہوں۔ شیخ کے بتانے کی برکت کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا مگر شیخ کا کام قرآن و سنت سے ضرورت کے مطابق بتانا ہے خود وضع کرنا نہیں جیسے حکیم ادویات مرض کے مطابق دے سکتا ہے نئی جڑی بوٹیاں اگانا اس کے بس کی بات نہیں بوٹیاں اللہ ہی کی پیدا کردہ ہوں گی ہاں وہ مرض اور اسکے ازالہ کا علم دیا گیا ہے یہی اس کی فضیلت ہے بالکل اسی طرح شیخ حالات کو دیکھ کر کتاب و سنت سے وظیفہ بتانے کا اہل ہے نہ کہ وظیفے ایجاد کرنا اس کا کام جیسے سیدنا شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ساری عمر کتاب و سنت ارشاد فرماتے رہے اور یار لوگوں نے قصیدہ غوثیہ ایجاد کر لیا بھئی واہ بھلا وہ کلام کیوں نہ پڑھو جو حضرت بھی پڑھا کرتے تھے کیا وہ صرف اپنا قصیدہ پڑھا کرتے تھے؟ چنانچہ حضرت آدم علیہ کو بھی اللہ کی طرف سے کلمات عطا ہوئے جو رفع مصیبت کا سبب بنے اکثر روایات کی بنا پر وہ یہ آیت تھی۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین ۰ اب اگر کوئی ہر نماز کے بعد گیارہ دفعہ پڑھنا معمول بنائے تو انشاء اللہ مصیبت سے گلو خلاصی کا سبب ہو گی اور اگر عموم مصائب سے بچنا چاہئے تو بہترین نسخہ ہے چنانچہ ان کی توبہ یا رجوع الی اللہ قبول ہوا کہ اللہ توبہ کو قبول کرنے والا اور بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ نہ عبادت کو انعام لازمی ہے نہ خطا کو سزا ضروری انعام و جزا بھی محض اس کی بخشش ہے جس سے وہ محروم نہیں کرتا اور سزا بھی اس کی مرضی سے ہے چاہے تو معاف کر دے مگر اس نے معافی کے لئے توبہ کی شرط رکھی ہے۔ زبردستی معافی نہیں ٹھونسے گا۔ جیسے آج کل کے لوگ بھول رہے ہیں کہ جی اللہ بڑا رحیم ہے کیا ضروری ہے کہ عبادت ہی کی جائے بیشک وہ بڑا رحیم ہے مگر بڑا عادل اور حکیم بھی ہے بنا دق بھی ہے اس کا فیصلہ ہے کہ توبہ تمہیں کرنا ہے پھر قبولیت کا مدار اس کی رحمت پر ہے بغیر توبہ کے غرہ ہونا مناسب نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا قلنا اھبطوا منها جمیعًا فاما یاتینکم منی هدیً فمن تبع هدای فلا خوف

علیم ولا یحزنون والذین کفروا وکذبوا بآیتنا اولئک اصحاب النّار
ھم فیھا خالدون کہ سب زمین پر چلے جاؤ وہاں تمہارے پاس میرے احکام اور ہدایات
آیا کریں گے اب تمہاری ساری اولاد میں سے جو بھی یا جنات میں سے جو بھی میرے احکام کی
اطاعت کرے گا اور میری دنیا میں میرا بندہ بن کر رہے گا۔ اسے نہ کوئی ڈر ہوگا نہ افسوس ڈر
آئندہ کیلئے کہ جانے کل کیا ہو اور افسوس گذشتہ پر کہ ایسا کیوں کیا وہ ان دونوں سے مامون
ہوں گے کہ ان کی اطاعت کا آئندہ ثمر بہترین ہوگا اور وہ اپنی گذشتہ زندگی پر مطمئن ہوں گے
لیکن اگر شیطان کے بہکاوے میں آگئے اور میرے احکام کا انکار کر بیٹھے یا تکذیب کے
مرتکب ہوئے تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا جہاں انہیں حسب اعمال ہمیشہ رہنا ہوگا اور کبھی
جنت میں نہ جا سکیں گے۔ انکار اور تکذیب تقریباً ہم معنی ہیں کہ ایک کہتا ہے میں یہ بات
نہیں مانتا انکار ہو گیا دوسرا کہتا ہے یہ بات غلط ہے تو یہ تکذیب ہو گئی مگر یہاں یوں نظر آتا
ہے کہ تکذیب کو اس لئے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اس کے دو درجے ہیں ایک زبانی بھی اور
عملاً تکذیب جو آج کل عام ہے کہا جاتا ہے نماز بہت بڑی عبادت ہے مگر پڑھی نہیں
جاتی ہے اقرار ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے مگر ادا نہیں کی جاتی یہی حال دوسرے احکام
کا ہے بلکہ اگر بعض مواقع پر تو سنت کی تلقین کی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ سنت پر عمل کرنے
سے ناک کٹ جائے گی یہ تو حد کفر ہے اور ایسا کہنے والا کفر سے نہیں بچ سکتا اگرچہ لوگ معاً
بعد کلمہ وغیرہ بھی پڑھتے ہیں بغیر یہ جانتے ہوئے کہ ہمیں نے کفر بک دیا تھا۔ تو پھر سے داخل اسلام
تو ہو جاتے ہیں مگر نکاح کی تجدید نہیں کرتے جسکی وجہ سے عمر بھر زنا میں مبتلا ہوتے ہیں اور
اولاد بوجہ ناجائز ہونے کے بدکار اور بداندیش ہوتی رہتی ہے یہ تو ان لوگوں کا حال ہے
جو اپنے رسوم و رواج کو سنت پہ قولاً و فعلاً ترجیح دیتے ہیں مگر ایسے بھی ہیں جو زبانی ایسا کرنے
کی جرأت نہیں کرتے اور کہتے ہیں اچھا طریقہ وہی ہے جو مسنون ہے مگر بعض مجبوریاں
انہیں پر عمل نہیں کرنے دیتیں ایسے لوگ بھی اس وعید کی زد میں ہیں خدا ہم سب کو معاف
کرے آمین۔ یہاں یہ حال کہ عملی تکذیب بھی ورود نار کی خبر دیتی ہے اگرچہ اس میں خلود

نہیں کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے مگر یار لوگوں نے ہر بدعتی کی ولایت کا اقرار کر رکھا ہے بریں عقل و دانش بباید گریست۔ سو انکار کرنے والے اور تکذیب کرنے والے دنیا سے لوٹ کر اپنے اصل گھر نہ جا سکیں گے بلکہ وہ لوگ آگ میں رہنے والے ہوں گے۔ جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

رکوع ۵:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَاٰمِنُوْا بِمَآ
اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ○ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ
بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ
وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

ترجمہ:

اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے (یعنی قرآن پر) ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے (یعنی توریت کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے) اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضہ حقیر کو اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو۔ اور مخلوط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے ہو۔ اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ۔ کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے (نیک کام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے) اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور اگر تم کو حب مال وجاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار معلوم ہو تو) مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے اور ان پر کچھ دشوار نہیں وہ خاشعین

وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بے شک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

اسرار و معارف

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ سورۃ بلحاظ نزول مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں یہود کا کافی تسلط تھا قلعے اور جاگیریں بھی تھیں کاروباری لحاظ سے بھی بہت بڑھے ہوئے تھے اور ان میں بڑے بڑے علماء بھی تھے نیز وہ اپنے آسمانی مذہب پڑھنے اور حق پر ہونے کے مدعی بھی تھے۔ سو اللہ کریم نے سب سے پہلے مومن کے اوصاف پھر کافر کے اور منافق کے حالات بیان فرمائے پھر عمومی دعوت تمام انسانیت کو دی اور اب روئے سخن براہ راست یہود کی طرف ہے کہ اسے اولاد یعقوب علیہ السلام، اسرائیل حضرت یعقوب کا نام ہے ان سے لیکر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک تمام نبی بنی اسرائیل میں ہوئے ہیں باوجود دوسری نعمتوں کے ہی ایک نعمت کس قدر عظیم ہے کہ سلسلہ نبوت صدیوں تک اس قوم میں جاری رہا جسکے طفیل انہیں دنیا کی عزت حتیٰ کہ حکومت تک نصیب رہی اور اخروی کامیابی بھی مگر ایک بات جو ہر نبی نے اپنی امت سے ارشاد فرمائی اور بنی اسرائیل میں بھی اول سے آخر تک سب انبیاء نے بتلائی نیز کتب سماوی نے اس کی اطلاع دی نہ صرف اطلاع بلکہ اس پر ایمان لانا اور اس کا اقرار بھی ارکان دین میں سے تھا۔ اور اس کا منکر کافر وہ تھی کہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء مبعوث ہوں گے جب قبل بعثت ان کا ماننا ارکان دین میں سے ہوا تو پھر بعثت پر تو ایمان لانا دین کی بنیاد ٹھہرا سو تمہیں ان پر نہ صرف ایمان لانا ہوگا بلکہ ہر طرح سے ان کی نصرت کرنی ہوگی اور یہ لوگ قبل بعثت تک تو آپ کی تشریف آوری کے منتظر رہے مگر بعثت پہ انکار کر بیٹھے تو فرمایا اوفو بعھدی یعنی جو وعدہ نسلاً بعد نسل میرے ساتھ کرتے چلے آئے ہو اب پورا کرو اس پر قائم رہو تو میں بھی اپنا وعدہ کہ تم دنیا و آخرت میں عزت پاؤ گے پورا کروں مگر یہ صرف

اس صورت میں ہو سکے گا کہ تم صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ اگر تمہاری امیدیں میرے سوا دوسرے سے وابستہ ہوں گی اور اس کی ناراضگی کا اندیشہ رکھو گے تو پھر اسی کی پسند پر ہی چلو گے۔ وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم ولا تکونوا اول کافر بہ ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا وایای فاتقون ہ اور اس حقیقت پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل فرمائی ہے اور جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے نہ صرف اس معنی سے کہ قرآن توراۃ وانجیل کو منزل من اللہ بتاتا ہے بلکہ عملاً بھی ذات نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور قرآن کریم اس پیش گوئی کو جو پہلی کتابوں میں آپ کے بارے تھی حرف بحرف پورا کر کے ان کی تصدیق فرماتے ہیں سو تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم ہی پہلے پہلے انکار کرنے والے بن جاؤ اور دوسرے لوگ جو تمہیں عالم جانتے ہیں۔ تمہاری وجہ سے انکار کرتے چلے جائیں تو اس طرح تم نہ صرف اپنے کفر کے بلکہ دوسروں کے کفر کے بھی ذمہ دار قرار پاؤ گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نیکی کی ترغیب دینے والا بھی اسی قدر ثواب پاتا جتنا اس پر عمل کرنے والا اور بدی کی دعوت دینے والا یا برائی ایجاد کرنے والا اسی قدر گناہ پاتا جس قدر لوگ اس پر عمل کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں صوفیوں کیلئے بہت باریک بات ہے کہ ان کی بعض حرکات کی وجہ سے لوگ اہل اللہ سے بدظن ہو جاتے ہیں جس کے لئے یہ ذمہ دار ہونگے اور بعض عادات جو خلاف سنت ہوتی ہیں لوگ اپنا کر ہمیشہ ان پر بوجھ لادتے رہتے ہیں۔ اس لئے صوفی کو چاہیئے کہ عادات تک کی نگہبانی کرے کہ یہ لوگ مقتدا ہوتے ہیں اور میری آیات کے بدلے دنیا حاصل کرنے میں نہ لگ جاؤ جو ایک بہت قلیل معاوضہ ہے اور بڑی تھوڑی قیمت ہے کہ ساری دنیا بھی بدلے میں ملے پھر بھی قلیل ہے چہ جائیکہ تم حقیر سی رقم یا وقتی اقتدار کی ہوس میں تورات کی آیات کو بدل دیتے ہو یا غلط معنی بیان کرتے ہو کچھ تو خوف خدا کرو یعنی اقتدار کے جانے کا غم نہ کرو دولت نہ ملنے کا اندیشہ نہ رکھو بلکہ میری ناراضگی کا خوف کرو۔ یہاں معارف قرآن میں اس موضوع پر بحث ہے کہ کیا آئمہ مساجد کو تنخواہ لینی جائز ہے؟ یا ختم قرآن یا تعلیم قرآن پہ اجرت کیسی ہے؟ اگر چاہیں تو دیکھ لیں مگر یہ آیت اس پر بات نہیں کرتی بلکہ یہ فتویٰ فروشوں کو متنبہ فرماتی ہے جو پڑے

لیکر یا اقتدار قائم رکھنے کو یا کسی بھی دنیاوی لالچ میں آکر غلط فتوے دیتے ہیں کہ یہ براہ راست احکام باری کی توہین و تذلیل ہے کہ علمائے یہود ایسا ہی کرتے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی ہیں۔ مگر آپ کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔ سو فرمایا کہ اگر تم ایماندار ہو جیسا کہ تمہارا دعوےٰ ہے تو پھر صرف مجھ سے ڈرو جھوٹے اقتدار اور دنیا کے جانے سے کیوں لرزاں و ترساں ہو ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون سچ کو جھوٹ کے ساتھ اور حق کو باطل کے ساتھ غلط ملط نہ کرو اور سچائی کو نہ چھپاؤ کہ تم خوب جانتے ہو کیونکہ علمائے یہود و نصاریٰ تو نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ صحابہ کرام تک کے اوصاف حمیدہ سے اس قدر واقف تھے کہ صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بیت المقدس سپرد کر دیا تھا کہ ہماری کتابوں کی پیش گوئی کے مطابق ایسا ہوگا۔ واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الرّٰکعین۔ سو اللہ کی نماز پڑھو فرائض کو ادا کرنے والے ہو بدنی اور مالی عبادات پوری محنت سے کرو کہ یہی تقاضائے ایمان ہے اقامت صرف نماز پڑھنے کو نہیں کہا جاتا بلکہ نماز کی جملہ شرائط جسم اور لباس کی طہارت، وضو وقت باجماعت اور پھر ارکان نماز کا پورا پورا خیال رکھنا قیام رکوع سجود جلسہ وغیرہ تمام امور کی نگہداشت کرنا بلکہ اس سے بڑھ کر نماز کی تلقین اور تبلیغ بھی اقامت صلوٰۃ کا شعبہ ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے بنو نیز رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

یہاں سے اکثر حضرات وجوب جماعت کو ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بغیر عذر شرعی مرد کی فرض نماز گھر میں ادا ہی نہیں ہوتی اور سستی اور تساہل عذر شرعی میں داخل نہیں اس کے علاوہ حدیث شریف میں جو تاکید ہے وہ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے لوگوں کو نماز باجماعت کیلئے حاضر ہونا چاہیئے اس میں لاؤڈ سپیکر شرط نہیں بلکہ متوسط آدمی کی آواز حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو بھی رخصت نہ فرمائی تھی۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوتا کہ مسلمانوں کا آپس میں متحد ہونا بھی ضروری ہے اور یہ روش کہ ہر مسجد والا دوسری مساجد والوں پر طعن کرے ناجائز اور سخت ناپسندیدہ ہے تب حیرت ہے کہ لوگوں کو کافر بھی مساجد میں ہی نظر آتے ہیں کبھی جو لوگ خانوں

ہیں جانے والوں سے اور سینما گھروں اور فحاشی کے اڈوں پہ راتیں بسر کرنے والوں سے کچھ نہیں کہا جاتا۔ علمائے حق نے سچے مسلمان کے اوصاف میں یہ وصف بھی نقل کیا ہے کہ اگر وہ دین کے کام میں مخلص ہے تو دوسرے کے اسی کام کو کرنے سے خوش ہوگا۔ ورنہ حسد کرے گا جو آج کل عام ہے۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون اللہ کے بندو لوگوں کو تو بھلائی کا حکم کرتے ہو نیک کام کرنے کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو علمائے یہود اپنے مسلمان ہو جانے والے رشتہ داروں سے تو کہتے تھے کہ یہ حق ہے اور اس پہ جمے رہو مگر خود اس طرف نہیں آتے تھے نیز یہ ان لوگوں کو بھی متنبہ فرمایا جا رہا ہے جو وعظ تو خوب کہتے ہیں۔ مگر عملی زندگی درست نہیں رکھتے لوگوں کو جن باتوں سے منع کرتے ہیں۔ خود انہیں کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ عوام تو محض سنی سنائی کی حد تک جان سکتے ہیں اور تم خود کتاب کے جاننے والے یعنی عالم ہو کیا تم اتنا عقل بھی نہیں رکھتے نیز تمام نیکیوں کی بنیاد عقیدہ ہے جو شخص بھی عقائد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور ان کی اصلاح نہیں کرپاتا وہ مزید نیکی کیا خاک کرے گا۔ جیسے علمائے یہود باقی اچھے کام کرنے کو تو کہتے تھے۔ مگر عقیدہ جو ضروری اور بنیادی چیز تھا یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نہ اس کی تلقین کرتے نہ خود لاتے تو یہ سب کیوں ہے لذت طلبی اور عزت و اقتدار کی خواہش دولت کی طلب۔ کہ شاید اس طرح یہ چیزیں نصیب ہوں اور آرام سے گذرے تو فرمایا یہ بھی سوچ غلط ہے یہ انداز فکر ہی خلاف حقیقت ہے کہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ خواہش تو انسان کرسکتا ہے مگر اس کی تکمیل اس کے بس میں نہیں اور یہ خواہشات زندگی کو اجیرن بنا دیتی ہیں اس کیلئے نہ دولت کے پیچھے دوڑو نہ اقتدار اور پیشوا بننے کی ہوس میں حق سے گریز کرو بلکہ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ۔ صبر اور صلوٰۃ یعنی عبادت اور دعا سے مدد حاصل کرو صبر کیا ہے۔ اللہ کی اطاعت پر اپنے آپ کو کاربند کرلینا اور عدم اطاعت سے نفس کو روک لینا۔ یعنی تجویز کرنا چھوڑو طریق تفویض اختیار کرو وہ یہ کہ سب سے پہلے تو خلاف

شرع اور ممنوعہ امور سے رک جاؤ بہت بڑی مصیبت سر سے ٹل جائے گی پھر جو کام جائز ہیں ان میں اپنی کوشش تو ضرور کرو اور امکانی حد تک محنت کرو مگر نتائج کی امید اللہ سے رکھو محنت بھی کرو اور دعا بھی مگر نہ محنت پہ یہ حکم لگاؤ کہ اس کا نتیجہ یقیناً وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں کہ "یہ تمہارے بس میں نہیں اور نہ صرف محنت پہ بس کرو بلکہ دعا بھی کرو اور دعا کو بھی درخواست جانو حکم نہ سمجھو کہ اللہ پہ نافذ ہو جائے گا اب اگر نتیجہ دنیا میں بھی تمہاری امید کے مطابق نکلا تو کیا کہنے کہ ثواب آخرت بھی ملا بوجہ اتباع شریعت کے اور اللہ سے شرف ہمکلامی بذریعہ دعا نصیب ہوا اور دل کی مراد بھی بر آئی لیکن اگر نتیجہ دنیا میں تمہاری امید کے برعکس آیا تو پہلے دو لطف تو مل ہی گئے جو اصل مقصود ہیں اور کیا خبر کہ اللہ تمہاری توقع اور خواہش کے مقابلے میں اس سے بہتر متبادل چیز بخش دے اور یقیناً ایسا ہی ہوتا ہے سو یہ طریقہ دنیا میں بھی لذت و آرام حاصل کرنے کا ہے نہ چوری نہ رشوت نہ کتمان حق مصائب دنیا کو تجھ سے دور کرے گا اور

نسخہ ذرا مشکل ہے بلکہ بہت مشکل ہے وانہا لکبیرۃ یہ بہت مشکل کام ہے الا علی الخاشعین الذین یظنون انہم ملاقوا ربہم و انہم الیہ راجعون ۝ مگر ان لوگوں کے لئے مشکل نہیں جن کے قلوب میں خشوع موجود ہے کہ خشوع فعل ہی قلب کا ہے اور یہ اس کیفیت کا نام ہے جو عظمت باری جلالت خداوندی ہیبت الٰہی کے سامنے اپنی بے مائیگی اور بے بسی کا اندازہ کر کے پیدا ہوتی ہے ۔ اللہ کی وہ عظمت کہ ساری کائنات کا خالق مالک رازق اور پروردگار ہے پھر اس وسیع کائنات میں خود یہ زمین ایک ذرہ ہے اس پہ نہ جانے کس قدر اقسام ذوالارواح کی ہیں جن میں سے پوری انسانیت ایک اکائی کا درجہ رکھتی ہے اس اکائی میں ایک آدمی کیا ہے ذرا اعشاریہ لگا کر صفر لگانا شروع کر دے دیکھیں زندگی میں ایک لکھنے کی نوبت بھی آتی ہے یا پوری زندگی صفر صفر لکھتے ہی تمام ہوتی ہے ۔ اس طرح عظمت باری کا شعور جو ایک کیفیت ہے اور قلب پہ وارد ہوتی ہے اسی کو خشوع کہا گیا ہے، اور یہ قلب ہی ہے جو یقین عطا کرتا ہے کہ مجھے اپنے پروردگار سے ملنا ہے اگر یہ ملاقات اور

لوٹ کر جانا نہ ہوتا تو پوری تخلیق ہی عبث ہوئی کرے بنتیجہ کام عبث ہوا کرتا ہے اور
فضول کام کرنے والے کو رب نہیں کہا جاتا سو یہ بھی شان ربوبیت کیلئے ضروری
ہے کہ قیامت قائم ہو نتائج سامنے آئیں اور نیک و بد اثرات مرتب کئے جائیں۔ اسی
وجہ سے یہاں ملقوا ربہم فرمایا گیا ہے کہ یہ تمام امور صفت ربوبیت کا اظہار
ہیں۔ سو کیفیات کو محسوس کرنے کے لئے زندگی شرط ہے۔ مردوں کو گرمی سردی
رنج اور خوشی سے کیا سروکار تو دل بھی جب ہی محسوس کرے گا جب زندہ ہوگا یہ دل
ہی کی بے حسی ہے کہ عبادات متروک ہیں اگر مردہ نہیں تو بے ہوش ضرور ہے اور
اکثر یہی بے ہوشی موت پر منتج ہوتی ہے اور لوگ نئے اور باطل مذاہب کے جال
میں پھنس جاتے ہیں اس کیلئے کسی ایسے معالج کی ضرورت ہے جو اس فن میں
مہارت رکھتا ہو کہ یہی فیض نبوی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح سے
فیوضات و برکات جاری ہوئے ایک ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحبت و
مجلس رسول کی برکات۔ ارشادات سے بھی وہی مستفید ہوئے جنہوں نے فیض
صحبت پایا ورنہ محض سننے کی حد تک تو کافر بھی شریک ہیں۔ سو آج بھی اسی طرح فیض
صحبت کی ضرورت ہے ورنہ محض سنی سنائی سے بات بننے سے رہی جس طرح اقوال و
ارشادات منتقل ہوتے ہیں۔ اسی طرح نسلاً بعد نسل فیض صحبت بھی سینوں کو منور کرتا
چلا آتا ہے۔ ذرا سلاسل اولیاء اللہ کو دیکھو سند حدیث کی طرح موجود ہیں ان میں کوئی
شخص جو واقعی سینہ منور رکھتا ہو اور دل کو جگا سکتا ہو مل جائے تو بات بنے خشوع بھی
نصیب ہو لقائے الہی پہ یقین حاصل ہو اور انسان افعال کے نتائج اخرویہ پہ نگاہ
رکھنے کی اہلیت پالے ورنہ دیا اور آرام ایں خیال است و محال است و جنوں۔ اور
بغیر خشوع اکثر نمازیں بھی گستاخی کے ضمن میں آتی ہیں یعنی بندہ رب سے ہمکلام ہو اور متوجہ
دوسری طرف ہو یہ بہت بڑی گستاخی ہے مگر ہاں ہم بندہ ہو اور نماز ادا ہی نہ کرے
فرائض کو فراموش ہی کر دے یہ گستاخی کی حد سے بڑھ کر ہے اور ایک طرح سے ظلم
ہے اپنی تباہی کا سامان ہے نہ پڑھنے سے تو بغیر خشوع پڑھنا بہتر مگر اس میں بھی یہ

کوشش جاری رکھے کہ اپنے آپ کو اپنے باطن کو اللہ کی طرف متوجہ رکھوں اللہ بڑا کریم ہے اس کی ذات سے امید قوی رکھے کہ قبول فرمائے گا اور اگر صحبت کامل نصیب ہو تو پھر دل کا نور عرش کی بلندیوں کو چھوتا ہے جو نماز کے وقت ایک خاص کیفیت پیدا کر لیتا ہے اگر ذرا غفلت آ جائے تو اس میں کمی آتی ہے انسان فوراً سنبھل جاتا ہے بلکہ اس سے کہیں آگے چلا جاتا ہے بندہ کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ایک دفعہ پشاور جاتے ہوئے راستہ میں عصر کی نماز کا وقت ہوا ساتھ ایک مولانا بھی تھے اور ایک درویش صفت دوست بھی میں نے اپنے گلے سے پستول اتار کر مولانا کو دے دیا تھا کہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے دقت پیدا کرتا تھا۔ نماز کے وقت بھی ان کے گلے میں تھا انہوں نے امامت کی اور ہم نے نماز ادا کی تو وہ دوسرے ساتھی کہنے لگے مولانا آپ نے نماز میں ہم سے کیا زائد کام کیا ہے پوچھا کیوں کہنے لگے فرشتہ ثواب لکھ رہا تھا۔ ہماری نمازوں کی نسبت آپ کی نماز کا ثواب زیادہ لکھا گیا میں نے اس سے پوچھا ایسا کیوں ہے تو کہتا ہے کہ ان کی نیت ایک اور کام بھی کر گئی اب آپ بتا دیں کہ وہ زائد کام آپ نے کیا کیا ہے تو مولوی صاحب کہنے لگے یار میرے گلے میں پستول تھا۔ سوچا اسلحہ لگا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز ادا کی ہے چلو خواہ پستول کسی کا ہے مگر مسلح ہو کر نماز پڑھنے کی سنت تو ادا ہو جائے گی سبحان اللہ اتنی سی سوچ کا فرق کس قدر ثواب کے حصول کا باعث بن گیا کاش مسلمان تجھے سنت کی قدر نصیب ہوتی اللہ تمام مسلمانوں کو سنت پہ کاربند رہنا نصیب فرمائے۔ سو حصول خشوع کے لئے نور قلبی کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے حصول تصوف یا سلوک کو ہر مرد و زن کیلئے واجب لکھا ہے کہ بغیر اس کے عبادات محض ایک رسمی کارروائی رہ جاتی ہیں۔

رکوع ٦ :

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ
نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ○ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ
فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ عَفَوْنَا
عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ
ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ○ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ
الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا
مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ
لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا
غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ ع

ترجمہ

اے اولادِ یعقوب کی

م رب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو انعام میں دی تھی اور اس (بات) کو (یاد کرو)
کہ میں نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر (خاص باتوں میں) فوقیت دی تھی اور ڈرو تم ایسے دن سے
کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش
قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جا سکتا ہے اور نہ ان لوگوں کی طرف داری
چل سکے گی۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب کہ رہائی دی ہم نے تم کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے
رہتے تھے تمہاری دل آزاری کے گلے کاٹتے تھے تمہاری اولادِ ذکور کے اور زندہ چھوڑ
دیتے تھے تمہاری عورتوں کو اس (واقعہ) میں ایک امتحان تھا تمہارے پروردگار کی جانب
سے بڑا بھاری۔ اور جب شق کر دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے (ڈوبنے
سے) بچا لیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو (مع فرعون کے) اور تم (اس کا) معائنہ کر
رہے تھے۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب کہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰؑ سے چالیس رات کا پھر تم
لوگوں نے تجویز کر لیا گوسالہ موسیٰؑ کے (جانے کے) بعد اور تم نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی پھر بھی ہم
نے تمہارے توبہ کرنے پر) درگذر کیا تم سے اتنی بڑی بات ہوئے پیچھے اس توقع پر کہ تم احسان
مانو گے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب دی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (توریت) اور فیصلہ کی چیز۔
اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی
قوم سے کہ اے میری قوم بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنی اس گوسالہ (پرستی) کی تجویز
سے تم اب اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو پھر بعض آدمی بعض آدمیوں کو قتل کرو۔ یہ (عملدرآمد)
تمہارے لئے بہتر ہو گا تمہارے خالق کے نزدیک پھر حق تعالیٰ تمہارے حال پر (اپنی عنایت
سے) متوجہ ہوئے بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں
اور جب تم لوگوں نے یوں) کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے یہاں تک
کہ ہم (خود) دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ طور پر سو (اس گستاخی پر) آ پڑی تم پر کڑک بجلی اور
تم (اس کا آنا) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مر جانے

کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے اور سایہ افگن کیا ہم نے تم پر ابر کو (میدان تیہ میں اور خزانہ غیب سے) پہونچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں. کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور (اس سے) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ اور جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس (چیزوں میں) سے جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے اور دروازے میں داخل ہونا عاجزی سے) جھکے جھکے اور (زبان سے) کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) ہم معاف کردیں گے تمہاری خطائیں اور ابھی مزید براں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس (کے کہنے) کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک آفت سماوی اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے۔

اسرار و معارف

گزشتہ رکوع میں ایفائے عہد کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کی ذیل میں اطاعتِ شریعت اسلامی کا حکم ہوا تھا کہ بالکل یہی تقاضا ان کی اپنی کتاب کا بھی تھا یہاں پھر سے انہیں براہِ راست خطاب فرما کر اپنے انعامات گنوائے جا رہے ہیں کہ اس قدر عظیم انعامات پر تمہیں نافرمانی زیب نہیں دیتی اور پھر وہ منعم ایسا ہے کہ اطاعت پر مزید انعامات سے نوازنے والا ہے زیادہ زور کلام بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے ہے کہ ایک تو یہ انبیاء کی اولاد تھے دوسرے ان ہی میں علماء کا وجود تھا اور اکثر مشرک بھی یہود و نصاریٰ کے علماء سے رجوع کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دعوت کے بارے رائے حاصل کرتے تھے۔ سو اللہ نے فرمایا کہ میرے انعامات یاد کرو کہ میں نے تمہیں تمہارے دور کے سارے لوگوں پہ فضیلت عطا فرمائی تمہاری قوم کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور تمہیں علوم نصیب فرمائے تو تمہیں اس روز سے ڈرنا چاہیئے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ واتقوا یوماً لا تجزی نفس عن نفس شیئاً .... ولا ھم ینصرون ۔ یہاں اتقوا بمعنی خوف ہے کہ اس

عظیم دن سے خوف کھاؤ جس دن کوئی شخص کسی بھی شخص کا دکھ نہیں بانٹ سکے گا نہ کسی سے
سفارش یا کچھ سزا کم کرا سکے گا کسی کافر کی کسی کافر کے حق میں سفارش قبول ہی نہ ہوگی یاد رہے
یہاں خطاب کفار سے ہے لہٰذا مسئلہ شفاعت انبیاء سے اس کا تعلق نہیں کہ وہ صرف مومنین
کے لیئے ہے نہ وہ کافر کی شفاعت فرمایں گے نہ اس کی اجازت ہی ہوگی بات چل رہی ہے
ان بڑے بڑے کفار کی جن کی پیروی کرتے ہوئے یہ حق کو چھوڑے ہوئے تھے کہ یہ تمہارے
کسی کام نہ آ سکیں گے نہ تو تمہارا بوجھ بانٹ سکیں گے نہ سفارش کر سکیں گے اور نہ ہی قبول
ہوگی نہ کسی سے کوئی عوض قبول ہوگا کہ نافرمانی کے بدلے کوئی جرمانہ ادا کر کے چھوٹ جائے
یا یہ لوگ تمہیں چھڑا لیں اور نہ تمہاری مدد کرنے کے قابل ہوں گے کہ طاقت استعمال کر لیں
یا رعب ڈال سکیں غرض جتنے طریقے سزا سے بچنے کے تمہارے اذہان میں ہیں قیامت
کے روز ان میں سے کوئی بھی نہیں چل سکے گا۔ یعنی بجز ایمان کے کوئی چارہ کار نہیں۔ ایمان
ایک ایسی نعمت ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان امیدوار شفاعت بھی ہے و نیز خلود نار
سے بچنے کا وعدہ لیئے ہوئے ہے اور تمہیں ایمان سے خالی ہو حالانکہ تم پر تمہاری قوم
پر تمہارے اجداد پر کس قدر عظیم احسانات فرمائے گئے وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
. . . . وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ ذرا اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعونیوں سے
سے نجات دی۔ یہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان کو
حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر لے گئے تو یہ لوگ تقریباً ۷۲ کی تعداد میں تھے
حضرت یوسف کی وجہ سے وہاں دین کا دور دورہ ہوا عدل و انصاف قائم ہوا یہ لوگ ایک
طرح سے مقتدا بن گئے مگر ان کے بعد یہ لوگ انحطاط کا شکار ہوئے پرہیزگاری چھوٹی اور
پھر دین بھی گیا اہل مصر بھی نہ صرف خدا کو بھول گئے بلکہ حاکمان مصر اپنی خدائی کے دعویدار
بن بیٹھے جن میں سے یہ حاکم جو عہد موسوی میں تھا اپنے پہلوں سے بڑھ کر ظالم تھا اور
بنی اسرائیل کی حالت اس قدر بدتر ہوئی کہ قبطی انہیں جانوروں کی طرح استعمال کرتے
اور ان سے خدمت کراتے جس کی کوئی اجرت بھی نہ تھی جھوٹا موٹا جو دے دیا وہی ٹھیک
نہ ان کی عزت تھی نہ مال اپنا حتیٰ کہ ان کی جان کی بھی کوئی قیمت نہ تھی۔ فرعون کو نجومیوں

نے بتایا یا اس نے خواب دیکھا اور انہوں نے تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری تباہی کا سبب بنے گا تو اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا حکم دے دیا کہ ان کے گھروں میں نرینہ اولاد پیدا ہوتے ہی نہ دی جائے اور یہ سلسلہ سالوں جاری رہا حتیٰ کہ خود قبطی چیخ اٹھے اور انہوں نے فریاد کی کہ بنی اسرائیل کے بچے تو قتل ہو جاتے ہیں اور بڑی عمر کے لوگ مر رہے ہیں تو ہماری خدمت کون کریگا یعنی وہ ایسے بے وقعت ہو گئے تھے کہ ان کے قتل کا افسوس کسی کو نہ تھا اپنی خدمت کیلئے فکر دامن گیر ہوئی تو فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال پیدا ہونے والے بچے قتل کر دیئے جائیں اور ایک سال جو پیدا ہوں وہ زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جو معافی کا سال تھا اور موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل کئے جاتے تھے ان کا واقعہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

بہرحال یہاں یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ جتنے قریبی ہوں گے اگر وہ نافرمانی اختیار کریں گے تو آخرت میں تو عذاب ہوگا ہی دنیا میں بھی ان پہ ذلت مسلط کر دی جائے گی اور یہی مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی صوفی طریقت کو چھوڑ بیٹھے تو مرتد طریقت ہمیشہ ذلیل ہو جاتا اور دنیا میں بھی اس کی زندگی موت سے بدتر ہوتی ہے۔ جیسے ان لوگوں کو فراعنہ مصر اور اور قبطیوں کی اصلاح کرنی تھی کردار شان نبوت تھے مگر دنیا کے لالچ میں آکر خود ان کے پیچھے چلنے لگے تو کس قدر ذلیل کئے گئے اور اسی طرح آج کا مسلمان جس کا فریضہ اصلاح عالم ہے جسے اخرجت للناس فرمایا گیا ہے اپنا منصب چھوڑ کر کفار کے پیچھے بھاگنے لگا تو نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیا بھر میں مصائب کے پہاڑ اسی پر ٹوٹ رہے ہیں اگر یہ آج بھی لوٹ کر اپنی جگہ آجائے تو فوراً حالات بدل سکتے ہیں۔ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ خدا مسلمان کو توفیق بخشے آمین! یہ اصول قوموں پر بھی لاگو ہوتا ہے اور افراد پر بھی . جو کسی بھی ذرا سے عقل رکھنے والے انسان سے چھپا ہوا نہیں کہ خلاف دین چل کر جس نے بھی عزت چاہی اسے ذلت نصیب ہوئی بنی اسرائیل کی طرح جنہیں یاد کرایا جا رہا ہے کہ یسومونکم سوء العذاب تمہیں کس قدر اذیت ناک زندگی کی طرف گھسیٹا

جارہا تھا کہ مجبور تھے اس طرح بسر کرنے پر حتی کہ تمہارے بچے تک ذبح کر دیے جانے لگے بچیوں کو چھوڑ دیا جاتا کہ خدمت لیں گے اور لڑکے ذبح کر دیے جاتے یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش تھی مصیبت تھی کہ اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے جہاں جس چیز کا ہونا مناسب ہو وہاں اس کو پہنچا دیتا ہے تمہارے کرتوتوں پر

بڑی مصیبت تم پر آنی چاہیے تھی۔ مگر بھر رحمت باری نے تمہیں سنبھالا تمہیں موسیٰ علیہ السلام جیسی ہستی بخشی جس نے تمہیں نہ صرف کفر کے اندھیروں سے نکالا بلکہ فرعونیوں سے بھی تمہاری جان چھڑائی اور بحکم الٰہی تمہیں لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے بتایا جاتا ہے کہ اس وقت ان کی تعداد تقریباً چھ لاکھ تھی۔ کئی عرصہ تک فرعون سے مقابلہ کرنے کے بعد اس کی اصلاح کے لیے کوشش کرنے اور مسلسل اظہار معجزات کے بعد حکم ہوا کہ انہیں لے کر نکلو مگر صبح جب فرعون کو علم ہوا کہ بنی اسرائیل رات کو نکل گئے تو ایک عظیم لشکر لے کر خود تعاقب میں روانہ ہوا جس کی تعداد بعض کے مطابق سات لاکھ تھی۔ مصر کے کسی دریا یا بحیرہ قلزم کے قریب ان کو جا پکڑا اب یہ لوگ بہت گھبرائے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن سامنے سمندر غرق ہونے کا خوف پیچھے فرعونیوں کی تلواریں تو اللہ فرماتے ہیں میں نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا موسیٰ علیہ السلام نے پانی پر عصا مارا تو پانی اس طرح سے پھٹا کہ بارہ قبیلوں کیلئے بارہ سڑکیں چھوڑ دیں اور خشک زمین نکل آئی یعنی پانی کی نمی تک نہ رہی اور ہر ٹکڑا پانی کے ایک عظیم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا۔ مائع تھا۔ مگر ٹھوس کی طرح کھڑا تھا اور بنی اسرائیل آرام سے گذر کر دوسرے کنارے پہنچ گئے جب فرعون وہاں پہنچا تو مبہوت ہو گیا مگر اللہ نے جبرائیل علیہ السلام کو مقرر فرمایا جنہوں نے فرعون اور لشکر فرعون سب کو دریا میں ڈال دیا جیسے ہی سارے سمندر میں پہنچ چکے پانی آپس میں مل گیا اور سارا لشکر فرعون سمیت غرق ہو کر تباہ ہو گیا اور لطف یہ کہ یہ سارا تماشا تم خود دیکھ رہے تھے وہ فرعون جس کے نام سے تم کانپتے تھے اور وہ قبطی جو تم پر ظلم کرتے تھے کس طرح بے بسی و بے کسی سے تمہارے سامنے غرق ہو رہے تھے یہی حال شیخ کا ہے کہ دین کی راہ میں جو رکاوٹ ہو اسے پھاڑ کر راستہ بنا دے

اور تعاتب ہیں جو کبر اور ناشکری کا فرعون ہے اسے غرق دریا کر دے اور ان چیزوں کو آدمی خود محسوس کرے اپنا محاسبہ کرے کہ صحبت شیخ میں آنے سے قبل زندگی کیا تھی اور اب اس میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ واذواعدنا موسیٰ ...... وانتم ظلمون۔

پھر وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتیں طور پر عبادت میں گذارنے کیلئے کہا موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چالیس راتیں طور پر گذاریں روزہ بھی رکھیں کسی سے نہ ملیں مناجات کریں۔ تاکہ وہ قوت ملکوتی اور وہ استعداد جو اسرار الٰہی کو قبول کرتی ہے اللہ کی کتاب کو پائے اور آپ کو تورات عطا ہو یہاں سے چلہ کی اصل بھی ثابت ہے اور اصل بات قلتِ طعام، قلت کلام اور قلتِ اختلاط مع الانام ہے یہ نفس کو کمزور کرنے کی بہترین دوا ہے اور نفس کی کمزوری کا مطلب روح کی قوت ہے ان دونوں میں سے ایک کی قوت دوسرے کی کمزوری ہے اب حضرت موسیٰ تو گئے اس انعام کی طلب میں اور یار لوگوں نے ان سے پیچھے سامری کا اتباع اختیار کر لیا۔ جو ان کے ساتھ تھا اس نے زیورات گلا کر ایک بچھڑا بنایا جو کسی قسم کی آواز پیدا کرتا تھا۔ روایات میں ملتا ہے کہ جہاں جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم لگتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تو اس نے وہاں سے مٹی لے لی جو بچھڑے میں ڈالی تو وہ زندہ ہو گیا مگر بعض حضرات کے مطابق اس نے اس میں اس طرح کے سوراخ رکھے تھے جو ہوا سے ایک قسم کی آواز پیدا کرتے تھے واللہ اعلم بہر حال بیشتر حصہ قوم کا اس کے سامنے سربسجود ہو گیا۔ یہاں ان تمام باتوں کا اجمالی ذکر ہے کہ احسانات شمار فرمائے جا رہے ہیں آگے چل کر تفصیل بھی ہے فرمایا تم کس قدر ظالم تھے کہ اتنے معجزات قاہرہ دیکھنے کے باوجود اور موسیٰ جیسے جلیل القدر رسول کی صحبت نصیب ہونے کے باوجود تم اللہ کو چھوڑ بیٹھے اور مخلوق کی پرستش پہ مائل ہو گئے ثم عفونا عنکم من بعد ذالک لعلکم تشکرون مگر ہمارا احسان دیکھو کہ بایں ہمہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہاری خطا بخش دی کہ تم شکر کرو اور اللہ کا احسان مانو واذ اٰتینا موسیٰ الکتاب والفرقان لعلکم تھتدون نہ صرف معاف کیا بلکہ تمہاری خاطر موسیٰ

علیہ السلام کو کتاب ایک ایسی کتاب جو حق اور باطل میں فرق بنا دینے والی تھی عطا کی کہ تم مراد ہدایت پا سکو۔ گویا نبی کو کتاب کا ملنا چونکہ امت کی ہدایت کیلئے تھا اور ان کے پاس ایک حق و باطل کی کسوٹی پہنچ گئی و نیز سب کو کلام اللہ سے مشرف ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سب احسانات کا شکر کس قدر واجب تھا یہ اُمت محمدیہ کو اس غرض سے بتایا جا رہا ہے کہ ان کے پاس موسیٰؑ تھے تو تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف حاصل ہے کتاب اللہ اپنی اصلی حالت میں تمہارے پاس ہے اور یہی حق و باطل کا معیار ہے جو لوگ جو قوم جو افراد جن عقائد و اعمال میں اس کے خلاف کریں گے وہ گمراہی ہوگی اور اس کا اتباع ہدایت۔ واذ قال موسیٰ لقومہ یاقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذالکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انہ ھو التواب الرحیم۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں تمہارے گناہ کی شدت سے آگاہ فرمایا اور تمہیں طریق توبہ بتایا۔ یہی منصب تصوف میں شیخ کا ہے کہ گناہ سے بے رغبتی دلائے اور توبہ کا طریقہ دل میں بٹھا دے فرق یہ ہے کہ نبی براہ راست اللہ سے ہدایت لیتا ہے اور شیخ نبی کا اتباع کرتا ہے جس شخص کی صحبت میں یہ شے حاصل نہ ہو اس کی صحبت میں رہنا وقت کا ضیاع ہے اور گمراہی کا خطرہ الگ۔ سو اب اس ظلم عظیم کا علاج یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے جن لوگوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا ہے انہیں وہ لوگ قتل کردیں جو اس میں ملوث نہیں ہوئے تو مقتول کی توبہ [illegible] ہو جائے گی فرمایا فاقتلوا انفسکم اب تمہارا قتل ہونا ہی تمہا[illegible] [illegible] کے [illegible] تمہاری بھلائی ہے اور یہ شرک کا داغ اب گردن کے خون ہی سے صاف ہو سکے گا۔ یہ طریق توبہ بعض گناہوں پہ ہماری شریعت میں بھی مقرر ہے۔ جیسے قتل عمد کے بدلے قتل یا زنا کے ثبوت پر رجم کہ یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ ہاں اگر معاملات رفت و گذشت ہو چکے ہوں اور بجز اللہ کوئی جانتا نہ ہو تو علاج توبہ کے سوا کچھ نہیں یہ رحمت خاص ہے اُمت محمدیہ کے لئے اور کمال تصوف بھی یہی ہے کہ گویا قتل ہو چکا نفس مارا جا چکا ہے اب شریعت کے سامنے ایسا ہو جیسا مردہ

بدست غسال کہ جدھر ہلاتے ادھر ہلے گا صحبت پیغمبر کا کمال کہ دوری میں جو مبتلائے شک ہو گئے تھے حضوری میں ایسے صاف دل بن گئے کہ قتل تک ہونا منظور کیا اور قتل ہوئے بہت کثرت سے قتل ہو گئے تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی حکم ہوا جو بچ رہے ہیں۔ انہیں بھی معاف فرماتا ہوں اور جو قتل ہوئے انہیں شہادت سے سرفراز فرماتا ہوں سو علیکم پھر تم پر متوجہ ہوا بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے تورات پیش کی تو کہنے لگے بھئی مان لینے سے تو ہم کو اعتراض نہیں بات اتنی ہے کہ اگر اللہ خود کہہ دے کہ یہ میری کتاب ہے تو بڑی بات ہے موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور ہر قبیلے کے چیدہ افراد کو جو کافی تعداد میں تھے لیکر طور پر پہنچے دعا کی اللہ ان کو بھی اپنا کلام سننے کی توفیق و قوت عطا کر چنانچہ انہوں نے سنا اور یہ ایک بہت بڑا کمال تھا جو انہیں نبی کے وسیلے نصیب ہوا۔ ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ میں ایسے افراد ہو سکتے ہیں۔ جنہیں باتباع نبی اللہ سے کلام نصیب ہو مگر اس کا درجہ وہ نہ ہوگا۔ جسے وحی کہا جائے تو وہ وقت یاد کرو۔ جب اس پر بجائے شکر کے تم حد سے بڑھ گئے کہ بات تو سن لی مگر کہنے لگے نہ جانے کس کی تھی اگر اللہ کو دیکھ لیں اور پھر ہمارے سامنے بات ہو تو مانیں اور یہ حد سے بڑھی ہوئی جسارت تھی اس عالم آب و گل میں دیدار باری کی قوت ہی نہیں دی گئی بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے تمنا کی تو ارشاد ہوا لن ترانی کہ تم دیکھ نہ سکو گے۔ ہاں ہماری خدائی میں یہ شرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ شب معراج دیدار باری ہوا تب پر بعض علماء کو اختلاف بھی ہے مگر یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو حضور حبیبہ مطہرہ عالم بالا تشریف لے گئے جس پر اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں۔ تو یہ بات دنیا کی نہ رہی بلکہ اس عالم کی ہو گئی۔ جب وہاں تشریف لے گئے تو جسم اطہر میں وہاں ہی کی قوت برداشت بھی پیدا ہو گئی اور دوسری یہ کہ سب کا اتفاق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا ملاحظہ معائنہ فرمایا۔ لعائے جنت میں سب سے بڑی نعمت ہی دیدار باری ہے اگر اللہ ہی کو نہ دیکھا تو پھر جنت میں کیا دیکھا؟ یہ بات اس کے حق میں جاتی ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار باری ہوا۔ واللہ اعلم وعلمہ، علم دانند گر اورا
کسی سے یہ کمال ثابت نہیں ہاں آخرت میں اور جنت میں جنتوں کو حسب مراتب
نصیب ہونا ثابت ہے یہاں بات تھی بنی اسرائیل کی کہنے لگے واذ قلتم یا
موسیٰ لن نؤمن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون
جب تم نے حد سے بڑھ اور حیثیت سے بڑھ کر مطالبہ کیا تو تم پر بجلی گری اور دیکھتے ہی
دیکھتے تم فنا ہو گئے ہو سکتا ہے۔ بجلی ہی ہو یا تجلیات باری کی کوئی جھلک جو
نہ یہ برداشت کر سکتے تھے اور نہ کر سکے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اللہ ان
کے قتل کی تہمت سے مجھے بچا اور ان کو پھر سے زندگی دے یہ چونکہ قضائے معلق تھی۔
جو بدل سکتی ہے یعنی ایک فعل کے نتیجہ میں ان پر مسلط کی گئی عمر طبعی پوری نہ ہوئی تھی۔
جس کے بعد لوٹنا نہیں تو پھر تمہیں زندہ کر دیا گیا۔ کیا کیا کمالات تھے اور کیسے کیسے انعامات
تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے طفیل تمہیں حاصل ہوئے۔ ثم بعثنکم من بعد موتکم
لعلکم تشکرون تمہیں ایسا موقع نصیب ہوا کہ تم شکر کرتے اللہ کے احسانات یاد
کر کے اس کے سامنے سر جھکا دیتے مگر ہوا کیا کہ تمہیں حکم ملا جاؤ اور قوم عمالقہ سے
جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس ملک پہ قابض ہو گئے تھے
اپنا وطن اصلی واپس لے لو اور جہاد کا ثواب بھی لوٹو یہ حضرات چلے مگر جب راہ
میں عمالقہ کی قوت کا حال معلوم ہوا تو دل چھوڑ بیٹھے کہ موسیٰ تو اور تیرا خدا لڑے ہم
سے یہ مصیبت مول نہیں لی جا سکتی چنانچہ سب نے واپسی کی ٹھانی اب جناب
سارا دن چلتے اور رات ٹھہرتے مگر چالیس سال چلتے رہے اور رہے وہیں کے
وہیں ایک بارہ کوس کی وادی میں پھنس کر رہ گئے جو مصر اور شام کے درمیان
تھی۔ نہ وہاں پانی نہ خوراک نہ سایہ نہ مکان نہ لباس نہ دکان لگے خراب ہونے پھر
التجا کی موسیٰ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ آپ نے پھر دعا کی تو اللہ نے تمام آسانیاں
بخش دیں۔ مگر چالیس برس تک اس میں بھٹکنا پڑا کسی طرف نکل نہ سکے وظللنا
علیکم الغمام وانزلنا علیکم المن والسلویٰ کلوا من طیبٰت ما رزقنکم

وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون یہ انہیں احسانات کو یاد فرمایا جا رہا ہے کہ دھوپ نکلتی تو تم پر بادل سایہ کر لیتا تھا اور کھانے پینے کے فکر سے تمہیں یوں آزاد کیا کہ من وسلوی عطا فرمایا من ایک ترنجبین سی تھی جو رات کو جھاڑیوں پہ خوب اکٹھی ہوتی اور صبح یہ حاصل کر لیتے اور سلوی بیٹریں تھیں۔ جن کے ڈار آجاتے اور ان سے بھاگتے نہ تھے۔ یہ پکڑ کر ذبح کرتے اور کھاتے حتیٰ کہ کپڑے نہ میلے ہوتے اور نہ پھٹتے۔ بچوں کو جو کپڑے پہنا دیئے جاتے وہ جسم کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے رات کی تاریکی کا تدارک ایک نوری روشنی سے کر دیا جاتا غرضیکہ ان کی تمام تر ضروریات کو خرق عادت کے طور پر پورا کر دیا گیا اور زندگی کی ضرورتوں سے بے نیاز ہو گئے مگر باوجود ان عنایات کے اللہ کی اطاعت پر قائم نہ رہ سکے اور لگے نافرمانیاں کرنے ان کی یہ ناشکری اللہ کا تو کچھ بگاڑ نہ سکی مگر خود ان کے حق میں بہت بڑی مصیبت ثابت ہوئی کہ زوال نعمت کا سبب بن گئی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے واذ قلنا ادخلوا ...... وسنزید المحسنین پھر وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں ایک شہر پر غلبہ دیا اور حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور جو کچھ اس میں ہے تم پر حلال ہے مزے سے کھاؤ لیکن ایک بات یاد رہے کہ داخلے کے وقت سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا کہ تمہارا عجز اور ہماری عظمت ظاہر ہو نیز شکر ادا کرنے کا باعث ہو اور زبان سے حطۃ یعنی گذشتہ غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے بھی تو ہماری عنایات دیکھو کہ اتنے سے معمولی کام پر پچھلی تمام خطاؤں کی معافی کا وعدہ فرما دیا بلکہ فرمایا وسنزید المحسنین جن میں جتنا خلوص یا خشوع زیادہ ہو گا ان کو معافی کے ساتھ مزید انعامات اور قرب الٰہی نصیب ہو گا۔ احسان نام ہے خلوص قلب کا اور یہ کیفیت ہر دل کی جدا ہوتی ہے تو جس قدر کسی کے دل میں رجوع الی اللہ کی کیفیت بڑھتی جائے گی اس پر دو عالم میں انعامات بھی بڑھتے چلے جائیں گے مگر یہ تم تھے کہ اتنی سی بات پہ بھی عمل نہ کر سکے اور تم میں سے بدکاروں نے الفاظ بدل دیئے فبدل

الذین ظلموا ..... بما کانوا یفسقون ۔ یہ لوگ جب داخل ہوئے تو نہ تو سجدہ ہی کیا اور نہ الفاظ ہی درست کئے بلکہ حنطۃ کہنے لگے جس کا معنی روٹی کے ہیں کہ بھئی ہم تو بھوک کے ستائے ہوئے لوگ ہیں ہمیں تو کھانا درکار ہے سو اس فعل اور قول کو بدل دینے کی وجہ سے ہم نے ان بدکاروں پر آسمان سے آفت نازل کی کہ ان کی بدکاری کا ثمر تھا ۔ ایک ظلم تو سجدہ نہ کرنے کا تھا ۔ دوسرا یہ کہ الفاظ ہی بدل دیئے جو مامور بہ تھے یہاں تو معنی بھی بدل گئے اگر معانی محفوظ رکھتے ہوئے صرف الفاظ بدل دیئے جائیں تو بھی درست نہ ہوگا خصوصاً عبادات میں مثلاً آذان یا نماز میں ثنا اور التحیات وغیرہ کہ ان کی جگہ معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی الفاظ بدل دینا جائز نہیں اور نماز نہ ہوگی (معارف القرآن) ہاں احادیث میں روایت بالمعنی کا جواز ملتا ہے قرطبی نے امام مالک ، شافعی اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے ۔ مگر وہ بھی اس شخص کیلئے جو عربی زبان میں ماہر ہو اور مواقع خطاب اور ماحول کے لحاظ سے معانی یا مضمون سمجھ سکے ۔ ہر کس و ناکس کیلئے نہیں اور اگر کوئی ایسا کرے گا ۔ تو وہ دنیاوی نقصان میں بھی مبتلا ہوگا ۔ اسی طرح صوفی کیلئے ان الفاظ و وظائف میں جو شیخ نے تعلیم فرمائے ہوں تبدیلی جائز نہیں ورنہ اس کا دینی نقصان بھی ہوگا اور دنیاوی تکالیف بھی آئیں گی جس طرح ان نافرمانوں پر طاعون مسلط کر دی گئی ۔ جو بطور سزا کے تھی اور اس کا سبب ان کی نافرمانی تھا بما کانوا یفسقون کہ وہ بداعمال تھے ۔ بدکاروں پر مصیبت بطور سزا آتی ہے اور جو مصائب نیک بندوں پہ آتے ہیں ۔ وہ بطور انعام ہوتے ہیں کہ بعض مقامات قرب کے حصول کے لئے ضروری ہوتے ہیں ۔ جیسے شہادت کے لئے قتل ہونا راہ حق میں ضروری ہے اور بعض اوقات منصب و مقام کے لحاظ سے عبادات میں کمی رہ جاتی ہے ۔ جسے تکالیف دنیاوی پورا کرتی ہیں اور کبھی مجاہدہ کرانا مقصود ہوتا ہے تاکہ اس پر انعام مرتب ہو کر یہ مجاہدہ اضطراری ہے جیسے آگے اسی قصہ میں آ رہا ہے اور وہ وقت بھی یاد کرو جب وادی تیہ میں تم کو پیاس نے بے حال کر دیا اور تمہارے لئے موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی دعا کی ۔

رکوع ۷ :

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا
وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ
اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
وَالْمَسْكَنَةُ ق وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ۝ ع

ترجمہ :

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰؑ نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے
اس پر ہم نے (موسیٰؑ کو) حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو پس فوراً اس سے پھوٹ
نکلے بارہ چشمے (اور بارہ ہی خاندان تھے بنی اسرائیل کے چنانچہ) معلوم کر لیا ہر شخص نے اپنے
پانی پینے کا موقع کھاؤ اور (پینے کو) پیو اللہ تعالےٰ کے رزق سے اور حد (اعتدال) سے مت
نکلو فساد (فتنہ) کرتے ہوئے سرزمین میں۔ اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰؑ (روز
کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار
سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اگا کرتی ہیں ساگ (ہوا)
ککڑی (ہوئی) گیہوں (ہوا) مسور (ہوئی) پیاز (ہوئی) آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا
چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے کسی شہر میں

(جاکر) اندر (وہاں) البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو اور جم گئی ان پر ذلت اور پستی (کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر اور خود ان میں اولوالعزمی نہ رہی) اور مستحق ہوگئے غضب الٰہی کے (اور اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ لوگ منکر ہوجاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق اور (نیز) یہ اس وجہ سے (ہوا) کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ اطاعت سے نکل جاتے تھے۔

اسرار و معارف:

تو ہم نے تمہیں وہ بھی خرق عادت کے طور پر بخشا کہ انہیں حکم دیا اپنا عصا پتھر پہ ماریں۔ تو فوراً اس پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہوگئے اور ہر شخص کو اس کا مشرب یعنی سیراب ہونے کا چشمہ بھی بتا دیا گیا کس قدر عنایات ہیں کہ بارہ قبیلوں کیلئے بارہ چشمے جاری فرما دیئے اور وہ بھی خرق عادت کے طور پر کہ امور عادیہ میں انسانی محنت ضروری ہے کہ اگر بارش ہوتی تو اس کے لئے تالاب بناتے پھر پانی صاف نہ رہتا گدلا ہوتا رہتا۔ یا اور کئی طرح کے مصائب بنتے مگر اللہ نے پانی ہی خرق عادت کے طور پر عطا فرمایا۔ اور اس میں بھی اس قدر رعایت برتی کہ ہر قبیلے کے لئے علیحدہ چشمہ جاری فرما دیا اور اسے بتا بھی دیا۔ اور فرمایا کہ اللہ کے عطا کردہ رزق سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو کہ ان سب انعامات کے بدلے اللہ کا شکر ادا کرو۔ ورنہ چھینا جھپٹی کرو گے تو روئے زمین پر فساد پیدا ہوگا گویا دنیا کا حسن و زینت اور اس کے آرام و آسائش کا مدار بھی اعمال انسانی پہ ہے اگر یہ بدکار ہوگا تو اس کی بدی اثرات ماحول کو متاثر کر کے دنیا میں فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان باوجود ہر طرح کی سائنسی ترقی کے دنیا میں امن قائم کرنے سے قاصر ہے کہ خدا سے بیگانہ ہو چکا ہے اللہ کا نافرمان ہے۔ بدکار ہے جس کی وجہ سے دنیا کا امن تہ و بالا ہے۔ دراصل یہ دنیا ایک مکان کی مثال ہے اور انسان اس کا مکین تو جب یہ خرمستیاں کرتا ہے تو لازمی طور پر لوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔

کھاؤ پیو ضرور مگر من رزق اللہ ملحوظ رہے وہ رزق جو اللہ کی طرف سے حلال و مباح ہو جس کے حاصل کرنے کا طریقہ شرعی ہو نہ یہ کہ بغیر حلال و حرام کی تمیز کے جو ملے جھپٹ لیا لکڑ ہضم، پتھر ہضم تو پھر نہ صرف اپنی تباہی کا سبب بنو گے بلکہ دنیا میں فساد پھیلانے کا ذریعہ اور باعث بن جاؤ گے جو نہایت نامناسب ہے۔

واذ قلتم یا موسیٰ لن نصبر علی طعام واحد ۔۔۔۔ ذالک بما عصوا و کانوا یعتدون ع پھر ان سب انعامات کے باوجود تم کہنے لگے اے موسیٰ یہ روزانہ ایک طرح کی خوراک کچھ مزہ نہیں دیتی اور اس طرح عمر گزارنا بہت مشکل۔ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں کوئی زمینی پیداوار عطا کرے کوئی دال سبزی، کھیرا ککڑی ہو یا تھوم پیاز ہوں یہ کیا روزانہ کا لگا بندھا کھانا ہے بھئی یہ ہمیں منظور نہیں۔ باوجود اس کے کہ یہ ایک بہت بڑی گستاخی تھی اور انتہائی ناشکری بلکہ نعمت کی ناقدری بھی مگر ہم نے تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں بہت سمجھایا بجھایا کہ تم اعلیٰ کو چھوڑ ادنیٰ کی طرف کیوں جاتے ہو۔ یعنی صرف یہ نہیں کہ ملنے والا کھانا اعلیٰ ہے بلکہ اس کے ساتھ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں بطور خرق عادت نصیب ہوتا ہے اور خوارق میں انسانی محنت و کاوش کو دخل نہیں یہ محض اللہ کی طرف سے صادر ہوتے ہیں مگر جن چیزوں کے تم طالب بن رہے یہ امور عادیہ کے تحت آتی ہیں اور امور عادیہ میں تمہیں بھی باقاعدہ محنت کرنی ہو گی کہ امور عادیہ بغیر سبب اور محنت انسانی کے حاصل نہیں ہوتے تو کیا عجیب حال ہے تمہارا کہ کھانا بھی پہلے سے کم تر درجے کا ہو اور محنت بھی فالتو گلے پڑ جاتے۔ پھر ایک بات اور بھی ہے کہ جب اللہ کی طرف سے بطور خرق عادت ملتا تھا۔ تو خالص حلال تھا۔ جب تم محنت کرو گے اور خود کماؤ گے تو کیا خبر کہاں نقص واقع ہو جائے اور اسے حرام یا مکروہ کر دے کہ جب انسانی لین دین ہوتے ہیں تو عموماً کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ

جیسے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ شکار کیوں کرتے ہیں تو فرمایا شکار کا گوشت اطیب الرزق ہے جو براہ راست اللہ سے مل جاتا ہے۔ کسی آڑھتی یا دوکاندار کا اس میں دخل نہیں۔ سو ان تمام باتوں کو سن کر بھی تم اپنی بات پر اڑے رہے حال تمہارا یہ تھا کہ کہتے تھے۔ موسیٰ اپنے رب سے کہو۔ یعنی موسیٰ کا رب ہے تمہارا رب نہیں تمہیں یہ تک توفیق نہ ہوئی کہ کہدیتے ہمارے رب سے سوال کرو مگر ہم نے پھر بھی تم پر احسان فرمایا اور تمہاری خواہش پوری کردی حکم دیا چلو کسی بستی میں داخل ہو جاؤ وہاں تمہیں یہ سب مل سکے گا۔ اور پھر ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی یعنی مشقت زیادہ اور آمدن و آرام کم پھر یہ ذلت ہمیشہ کے لئے اور احتیاج بھی ابدی کہ طبائع میں وہ اولوالعزمی نہ رہی ایک تو کاشتکاری کا پیشہ ایسا ہے کہ عملاً کام کرنے والے لوگ غریب ہی رہتے ہیں اور پھل دوسرے کھاتے ہیں۔ مگر یہود کے تو مزاج میں ذلت ہے کہ رئیس ترین یہودی بھی مسکین ہی بنا پھرے گا۔ نیز ہمیشہ کیلئے حکومت و سلطنت سے محروم ہو گئے ہاں الا بحبل من اللہ وحبل من الناس یعنی کوئی اللہ کی طرف سے اس مصیبت سے کسی حد تک مامون ہو یا کسی دوسرے انسان یا قوم کے آسرے پر چند روز کی چودھراہٹ بنا بیٹھیں جیسے موجودہ اسرائیل کی ریاست کہ درحقیقت امریکہ اور برطانیہ کی چھاؤنی کی حیثیت رکھتی ہے جو صرف مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور انہیں الجھائے رکھنے کیلئے بنائی گئی ہے ورنہ اس دور سے اب تک اور اب سے ہمیشہ تک یہودی جہاں بھی رہے ذلیل و خوار اور دوسروں کے سہارے رہے اور رہیں گے اس ذلت و محتاجی نے انہیں کہیں کا نہ رکھا حتیٰ کہ غضب الٰہی کا شکار ہوئے دنیا میں مصروف ہوئے دین رفتہ رفتہ چھوٹتا چلا گیا اور برائی آتی گئی حتیٰ کہ اس حد پر پہنچ گئے جہاں اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اور احکام الٰہی سے انکار کرنے لگے اور انبیاء کے قتل ناحق میں ملوث ہوئے دین سے بے رغبتی بڑھتے بڑھتے دین سے دشمنی کی حد کو جا پہنچی حتیٰ کہ کسی نبی کی بات برداشت نہ کر سکتے تھے اور اپنے خود ساختہ معاشرتی اصولوں کی حفاظت کیلئے کہ نبی تو اللہ کا

قانون رائج کریگا ہماری رسومات مٹ جائیں گی انبیاء کو قتل تک کر دیا بغیر الحق نبی کا
قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے کہ نبی معصوم ہوتے ہیں اور بے گناہ واجب القتل کیسے
ہو سکتا ہے یہاں بغیر الحق فرما کر واضح فرما دیا کہ جانتے وہ خود بھی تھے کہ ہم جو کر رہے
ہیں یہ ناحق ظلم ہے اور یہ سمجھتے ہوئے بھی اس کے مرتکب اس وجہ سے ہوئے کہ
اللہ کے نافرمان تھے اور گناہ آلود زندگی انہیں رفتہ رفتہ اس حد پر لے گئی کہ وہ تمام
حدود پھلانگ گئے یہ گناہ اور مسلسل گناہ کا ثمر ہے۔

(علیہ السلام) نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے (غرض ہر قسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری بات فرمائی پھر اس کو ذبح کیا اور (اپنی حجتوں سے ظاہراً) کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے۔

اسرار و معارف

اگر یہ حیثیت کی ذلت گلے پڑ ہی گئی تو بات تو بہت بگڑ گئی فرمایا نہیں رحمت عالم کا ظہور عام ہے، اور بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا فیض عام ہے مسلمان یہودی نصاریٰ یا بے دین کوئی طبقہ ہو سب کے لیے اصول ایک ہے اور وہ یہ کہ من امن باللہ والیوم الاخر کہ جو اللہ پر آخرت پر ایمان لائے یعنی ماجاء بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے صدق دل سے یقین رکھے، اور پھر اعمال حسنہ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہو وہ عملاً صالحاً یعنی اعمال بھی صالحہ کرے اور سارے صالح اعمال وہ ہیں جو سنت کے مطابق ہیں یا کسی سنت سے متصادم نہیں ہیں جہاں کسی کام کا تصادم سنت سے ہوا وہاں وہ کام صلاحیت کھو بیٹھا۔ اب اگر مسلمانوں پہ عنایات ہیں تو اس کا باعث ان کی ذات نہیں بلکہ ان کے عقاید و اعمال ہیں سوائے بنی اسرائیل یا دنیا کے تمام فرقو! اگر تم بھی اپنے عقائد اور اعمال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرو تو تم بھی مورد عنایات ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر خدانخواستہ مسلمان بھی ان اوصاف کو ضائع کر دے تو تمہاری طرح ذلیل ہوگا۔ جیسے کہ آج کل ہماری حالت ہے وہ اوصاف جن کی وجہ سے ہمیں عزت اور عظمت دو عالم نصیب تھی گئے تو یہ چیزیں بھی گئیں آج ہر طرف ہمارے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور ہماری حکومتوں کو لڑایا اور برباد کیا جا رہا ہے مگر ہم ہیں ٹس سے مس نہیں ہوتے خدا ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور عقائد بھی وہ نصیب کرے جن کی دعوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور اعمال بھی وہی جو سنت کے مطابق ہوں۔ ایسے ہی لوگ عنایات باری کے سزاوار ہوں گے نہ انہیں آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا افسوس لاخوف علیہم

رکوع ۸ :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ وَإِذْ أَخَذْنَا
مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا
مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا
فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ وَلَقَدْ
عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً
خَاسِئِينَ ○ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً
لِلْمُتَّقِينَ ○ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا
بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ
الْجَاهِلِينَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ
إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ فَافْعَلُوا
مَا تُؤْمَرُونَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ
إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ○
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا
إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ○ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ
تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا
قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ○ ع

ترجمہ :

یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین (ان سب میں)
جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ (کی ذات اور صفات) پر اور روزِ قیامت پر اور کارگزاری

اچھی کرے ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس اور (دیا) یا
کر (کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے ۔ اور جب ہم نے تم سے قول و
قرار لیا (کہ توراۃ پر عمل کریں گے) اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر (محاذات میں) معلق
کر دیا کہ (جلدی) قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو (احکام)
اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی (اس سے)
پھر گئے سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالے کا فضل اور رحم نہ ہوتا تو ضرور تم (فوراً) تباہ (اور ہلاک)
ہو جاتے اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم ہیں سے (شرع سے) تجاوز کیا
تھا (بارہ (اس حکم کے جو) یوم ہفتہ کے (متعلق تھا) سو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم بندر
ذلیل بن جاؤ پھر ہم نے اس کو ایک (واقعہ) عبرت انگیز بنا دیا ان لوگوں کے لئے بھی
جو اس قوم کے معاصر تھے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے اور ان
لوگوں کے لئے بھی جو مابعد زمانہ میں آتے رہے اور موجب نصیحت بنایا خدا سے ڈرنے والوں کیلئے اور

(وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم
دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو ۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں موسیٰ
(علیہ السلام) نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں ۔ وہ لوگ کہنے
لگے کہ آپ درخواست کیجیے اپنے رب سے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس (بیل) کے کیا
اوصاف ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ
بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں سو اب (زیادہ حجت مت کیجو بلکہ)
کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے ۔ کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کر دیجیے ہمارے لئے
اپنے رب سے ہم سے یہ (بھی) بیان کر دیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو ۔ آپ نے فرمایا کہ حق
تعالے یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہے جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو
فرحت بخش ہو کہنے لگے کہ (اب کی بار اور) ہماری خاطر سے اپنے رب سے دریافت کر
دیجیے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ ہم کو اس بیل میں (قدرے)
اشتباہ ہے اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ (اب کی بار) ٹھیک سمجھ جاویں گے ۔۔ موسیٰ

(علیہ السلام) نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے (غرض ہر قسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری بات فرمائی پھر اس کو ذبح کیا اور (اپنی حجتوں سے ظاہراً) کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے۔

اسرار و معارف

اگر یہ ہمیشہ کی ذلت گلے پڑ ہی گئی تو بات تو بہت بگڑ گئی فرمایا نہیں رحمت عالم کا ظہور عام ہے، اور بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا فیض عام ہے مسلمان یہودی نصاریٰ یا بے دین کوئی طبقہ ہو سب کے لیے اصول ایک ہے اور وہ یہ کہ من امن باللہ والیوم الاخر کہ جو اللہ پر آخرت پر ایمان لائے یعنی ماجاءبہٖ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے صدق دل سے یقین رکھے، اور پھر اعمال حسنہ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہو وہ عملاً صالحاً یعنی اعمال بھی صالحہ کرے اور سارے صالح اعمال وہ ہیں جو سنت کے مطابق ہیں یا کسی سنت سے متصادم نہیں ہیں جہاں کسی کام کا تصادم سنت سے ہوا وہاں وہ کام صلاحیت کھو بیٹھا۔ اب اگر مسلمانوں پہ عنایات ہیں تو اس کا باعث ان کی ذات نہیں بلکہ ان کے عقاید و اعمال ہیں سوائے بنی اسرائیل یا دنیا کے تمام فرقو! اگر تم بھی اپنے عقائد اور اعمال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرو تو تم بھی مورد عنایات ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر خدانخواستہ مسلمان بھی ان اوصاف کو ضائع کر دے تو تمہاری طرح ذلیل ہوگا۔ جیسے کہ آج کل ہماری حالت ہے وہ اوصاف جن کی وجہ سے ہمیں عزت اور عظمت دو عالم نصیب تھی گئے تو یہ چیزیں بھی گئیں آج ہر طرف ہمارے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور ہماری حکومتوں کو لڑایا اور برباد کیا جا رہا ہے مگر ہم ہیں ٹس سے مس نہیں ہوتے خدا ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور عقائد بھی وہ نصیب کرے جن کی دعوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور اعمال بھی وہی جو سنت کے مطابق ہوں۔ ایسے ہی لوگ عنایات باری کے سزاوار ہوں گے نہ انہیں آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا افسوس لاخوف علیھم

ولا ھم یحزنون یہی خلاصہ ہے سارے تصوف کا کہ اللہ اللہ کی تکرار کرتے سے دل میں وہ صلاحیت آتی ہے کہ آدمی عقائد اسلامیہ کو دل سے قبول کرتا ہے اور وجود میں وہ ہمت پیدا ہوتی ہے کہ اتباع سنت کے لیے محنت کرتا ہے اگر کوئی شخص خلاف سنت کرتا ہو اور اسے تصوف کا نام دے تو یہ وہی مثل ہے کہ برعکس نہند نام زنگی کافور"

واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور ...... لعلکم تتقون : اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے طور کو تمہارے سروں پر معلق کر دیا کہ وعدہ کرو اور مانو جو ہم نے بھیجا ہے تورات کو مضبوطی سے پکڑو ورنہ یہ عظیم پہاڑ جو تمہارے سروں پر معلق ہے تم پر گرا دیا جائے گا۔ جب یہ حال بنا تو سب سجدے میں گر گئے اور لگے گڑگڑانے اور وعدے کرنے اللہ نے اسے بھی بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ اگر تم نہ مانتے تو نقصان کس کا تھا تمہارا سو ہم نے تم سے منوا کر تمہیں یہ موقع بخشا کہ تم ان کو مانو یاد رکھو ان پر عمل کرو کہ تمہیں تقویٰ جیسی نعمت نصیب ہو۔ یہاں اکراہ فی الدین نہیں ہے۔ بلکہ یہ اول مسلمان تھے۔ مگر عملاً جب تورات کو پڑھا تو پھسلنے لگے کہ جی اس پر عمل دشوار ہے تو اللہ نے ان پر طور پہاڑ کو معلق فرما دیا کہ اب عمل کرو اور مانو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے جیسے اسلام میں بھی مرتد کی سزا قتل ہے کافر کی نہیں اور یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ مسلمان سے اسلام پر عمل کرانا صاحب اختیار کی ذمہ داری ہے ورنہ اسے سزا دے اگر ایسا نہ کرے گا تو خود ماخوذ ہو گا۔ جب ہی تو صحابہ رضوان اللہ تعالے کے مقدس دور میں بھی فاروق اعظمؓ درہ لیے پھرا کرتے تھے۔ کاش آج کے حکمرانوں کو بھی اللہ یہ سمجھ دے۔

پھر اس کے بعد بھی تم وعدے پہ قائم نہ رہ سکے اور عہد شکنی کی جس کی تازہ مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد ہے۔ مگر اللہ کا فضل اور عموم رحمت ہے کہ تمہیں تا بہ عمر مستعار مہلت مل رہی ہے ورنہ تم سخت خسارے میں تھے اور قریب تھا کہ تم پر عذاب آ پڑے تم تو شروع ہی سے غلطیاں کرتے چلے آ رہے تھے یہ اللہ کی رحمت تھی کہ جگہ جگہ تمہیں سہارا دیتی چلی آئی اور بعثت محمدیہ تو ایک خاص رحمت ہے جس کے سبب کفار سے بھی عمومی عذاب ہٹ گئے۔ لیکن آخر تا بہ کے ایک روز تو بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہی ہے۔

اگر دنیا میں موسیٰ علیہ السلام سے بدعہدی کر کے فوراً ہلاک نہ ہوئے تو کیا ابدی ہلاکت سے بچ سکو گے؟ سو یہ بھی اللہ کا فضل اور رحمت ہے کہ فوراً گرفت نہ فرمائی اور توبہ کی مہلت عطا کر رکھی ہے۔ ورنہ تم خوب جانتے ہو ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت .... للمتقین

کہ وہ لوگ بھی تم میں سے ہی تھے۔ جنہوں نے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا کہ یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی ان کی معاش کا ذریعہ تھی۔ اللہ نے حکم دیا کہ ہفتہ کے روز مچھلی نہ پکڑا کریں کہ یہ روز ان کے لیے مکرم اور عبادت کا تھا۔ مگر ہوتا یہ کہ اس روز مچھلیاں بھی کثرت سے کنارے کے قریب آجاتی تھیں۔ ان لوگوں سے نہ رہا گیا تو حیلہ ایجاد کیا کہ کنارے پہ گڑھے بنا دیے اور نالیوں کے ذریعہ سے سمندر سے ملا دیے جب گڑھے مچھلیوں سے بھر جاتے تو نالی میں سل وغیرہ رکھ کے بند کر دیتے پھر دوسرے روز پکڑتے رہتے کوئی کانٹا ڈال دیتا مچھلی اس میں اٹک جاتی مگر وہ اس روز نہ پکڑتا دوسرے دن نکال لیتا جن لوگوں کو اللہ نے اطاعت کی توفیق بخشی انہوں نے انہیں سختی سے منع کیا یہ سخت جرم سے تلخی بڑھی تو بات یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے ان کی بستی ہی علیحدہ کر دی اور درمیان میں دیوار کھینچ دی کہ تم اگر نہیں برداشت کر پاتے تو الگ رہو۔ ایک روز انہیں نافرمانوں کی طرف سے کوئی انسانی آواز سنائی نہ دی بلکہ درندوں اور بندروں کے چلانے کی آوازیں تھیں جا کر دیکھا تو سب بندر اور خنزیر بن چکے تھے جوان بندر اور بڑے خنزیر بن گئے رشتہ داروں کو پہچانتے ان کے پاؤں میں لوٹتے اور چیختے تھے مگر کچھ نہ بن سکا اور چند روز اسی عذاب میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو گئے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے جن قوموں پہ مسخ کا عذاب واقع ہوا ان کی نسل نہیں چلتی یہ موجودہ بندر وغیرہ پہلے بھی تھے یہ جدا مخلوق ہیں ان سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ سو یہاں ایک بات تو یہ واضح ہے کہ کوئی ایسا حیلہ جس سے حکم شرعی کا ابطال ہوتا ہو جائز نہیں۔ بلکہ سخت جرم ہے ان فقہا کے وہ حیلے جن سے حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے نہ کہ ابطال وہ اس میں داخل نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ نیکوں کے ساتھ رہنا بھی عمومی عذاب کی گرفت سے بچانے کا ذریعہ بنتا ہے جب تک ل کر رہے بچے رہے مگر جب نیک لوگوں کو بالکل علیحدہ کر دیا اور قدامت پسندوں کر

جدا کر دیا تو مہذب یافتہ لوگ عذاب کی گرفت میں آ گئے خدا ہمیں نیکوں کا ساتھ نصیب فرمائے آمین! تو فرمایا دیکھ لو ان کا حال انہوں نے مچھلیاں تو پکڑیں مگر ہم نے ان کو بندر اور ذلیل جانوروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔ اور ان کے ہمعصروں کے لیے اور بعد والوں کے لیے عبرت اور توبہ کا سبب بنا دیا اور نیک لوگوں کے لیے مزید نصیحت کا ذریعہ، یہ عذاب کہ صورتیں مسخ ہو جائیں بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد عمومی طور پہ اٹھا لیا گیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات میں سے ہے مگر بعض افراد پر اس کا جاری ہونا عجیب نہیں۔ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت سیدنا صدیق اکبرؓ کو خصوصی طور پر سخت توہین آمیز کلمات کہا کرتی تھی اور دیگر صحابہ اور ازواج مطہرات کو بھی تو مرنے سے پیشتر اس کی شکل بگڑ کر ڈراؤنی ہو گئی کتے کی طرح زبان کوئی ۴ ؎ کے قریب منہ سے نکل گئی ہے۔ وہ واپس منہ میں بھی نہ داخل کر سکتی تھی اور دن رات چپ بھی نہ کر سکتی نتیجہ یہ ہوتا کہ لفظ تو کوئی بن نہ سکتا کتے کی طرح بھوں بھوں کی آواز آتی رہتی بڑے بڑے ڈاکٹروں کے پاس لاہور تک اسے لے کر گئے مگر کچھ نہ بن سکا تین ماہ اسی عذاب میں گرفتار رہ کر جہنم واصل ہوئی ایسے متعدد واقعات ہیں جن کا یہاں لکھنا طوالت کا سبب ہو گا یہ تو صورت جسم کا حال ہے رہا روح تو روح کی صورت جب تک ایمان اور عمل صالح نہ ہو انسانی رہ ہی نہیں سکتی بلکہ اس درندے یا جانور سے مشابہ ہوتی ہے جس سے اس کی عادات ملتی ہوں انسانی شکل پر صرف ان لوگوں کے ارواح ہوتے ہیں جن کا دل منور ہو ورنہ مسلمان اور نمازی بھی حلال جانوروں کی شکل پہ ہوتے ہیں اور بدکار اور کفار درندوں کی شکل پہ کیا ہوا اگر اس کے اوپر بدن انسانی کا جامہ ہے تو یہ ہمیشہ تو نہ رہے گا۔ اور اگر اللہ دل کی آنکھ وا کر دے تو دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے۔ شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں درندوں سے اٹی پڑی ہیں۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ آمین!

واذ قال موسیٰ لقومہٖ ۔۔۔۔۔ فذبحوھا وما کادوا یفعلون ۰ ر

وہ وقت اور احسان بھی یاد کرو جب تم میں ایک شخص قتل کر دیا گیا جس کے قاتل کا پتہ نہ چل رہا تھا۔ ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ قاتل کا ضرور پتہ چلنا چاہیے

تو آپ نے اللہ کے حکم سے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ کہنے لگے آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں فرمایا میں ایسی جہالت سے کہ اللہ کے احکام میں مذاق کروں اللہ ہی کی پناہ پکڑتا ہوں۔ یہ کام تو وہی کر سکتا ہے جو اللہ کی عظمت سے نا آشنا ہو وہی سب سے بڑا جاہل ہے۔ خواہ کتنے ہی کالجوں اور مدرسوں میں پھرا ہو جسے معرفت باری جیسی دولت نصیب ہو بھلا وہ احکام الٰہی میں مذاق کی جرأت کرتا ہے ہرگز نہیں کہ وہ عالم ہے اسے وہ شئے حاصل ہے جو تحصیل علم کا مقصد ہے اور انبیاء کی ذوات مقدسہ اس بات کے لیے تو مثالی ذوات ہوا کرتی ہیں۔ ویسے بھی ایسا مذاق جس میں کسی کا تمسخر اڑانا مقصود ہو یا جو جھوٹ پہ مبنی ہو شرعاً جائز نہیں ہاں بات سچی ہو اور کسی کی توہین مقصود نہ ہو بلکہ محض خوش طبعی ہو تو بے تکلف احباب میں ایسا کرنا حرج کا باعث نہیں، مگر یہ معاملہ احکام الٰہی سے تو ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اسے مذاق کیوں جانا اس لیے کہ ان کے خیال میں قتل کی تفتیش کے لیے بیل یا گائے کو ذبح کرنا کچھ بے جوڑ سی بات ہے بھلا اس سے کیا مقصد حاصل ہوگا۔ دنیا عالم اسباب ہے یہ اللہ کی سنت ہے کہ ہر کام کو کسی نہ کسی سبب سے متعلق فرما دیا ہے اور اس کی مصلحت یا حکمت سے وہ خود ہی آگاہ ہے جو امور ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں آتے ہیں ہم ان کے عادی ہو کر انہیں ایک عام سی بات کا درجہ دیتے ہیں ورنہ یہ کیا تک ہے کہ گندم حاصل کرنے کے لیے جو چند دانے گھر میں رکھے ہیں انہیں بھی مٹی میں دبا دو مگر ہمارا تجربہ کہ اس سے فصل پیدا ہو کر بالیاں لگیں گی۔ اور دانوں سے بھر جائیں گی ہمیں اس پر حیران نہیں ہونے دیتا۔ ورنہ تو اس عالم کی ہر شئے قدرت باری پہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ سو اسی طرح اللہ انہیں روزمرہ کے دلائل کے علاوہ اپنی قدرت کی ایک اور دلیل دکھانا چاہتا تھا۔ نیز اس میں مزید کس قدر حکمتیں تھیں یہ بھی اللہ ہی جانے۔ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کی تعمیل ضروری ہے اور جو نتائج انہوں نے ان امور پہ بیان فرمائے وہ ضرور مرتب ہوتے ہیں خواہ ان کی درمیانی کڑی ہم جان سکیں یا نہ جیسے آج کل کا ایک اعتراض کہ عید قرباں پہ کس قدر جانور ذبح کر دیئے جاتے ہیں، اور سب گوشت کھا لیں ضائع ہوتی ہیں اگر یہ رقم جمع کر کے فلاحی کاموں پر

لگائی جاتی تو کس قدر خوب ہوتا یا یہ اعتراض کہ اربوں روپے حج پر جانے میں ضائع ہوتے ہیں ان سے ہر سال کئی یونیورسٹیاں قائم ہو سکتی تھیں۔ یہ وہی اسرائیلی ذہن ہے ورنہ مقصد اتباع نبوی ہے اور ایک معمولی دنبہ یا گائے ذبح کرکے ان برکات میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ دار بن جانا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ذبیح اللہ کی گردن پہ چھری رکھ کر حاصل ہوئیں تھیں۔ کس قدر عظیم بات اور اللہ کا کتنا احسان ہے اپنے اندر اخلاق ابراہیمی کی جھلک پیدا کرنا ہی کتنا کمال ہے۔ یا ارکان حج ادا کرکے ان مخصوص تجلیات باری کو اخذ کرنا جو اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کس قدر عظمت کا حامل ہے جس ہستی نے یہ ارکان بجا لانے کا حکم نوع انسانی تک پہنچایا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی تعمیر سیرت کرسکتا ہے۔ تاریخ میں کوئی ایسا ہے ہرگز نہیں اور یہ اپنے آپ کو مہذب کہنے والے جانور یونیورسٹیوں اور کالجوں میں انسانی بچوں کو جانوروں جیسی عادات سکھا کر ارکان دین پہ طنز کرتے ہیں۔ ذرا اس معاشرے کو اپنے معاشرے کے مقابل رکھ کر دیکھو، انسانیت کس طرف ہے اور نوع انسانی کی فلاح کس بات میں ہے۔ یقیناً تم پر اتباع نبوت کی عظمت عیاں ہو جائے گی۔ اور تم سمجھ سکو گے کہ کالج اور یونیورسٹی بھی وہی مفید ہے جو اتباع نبوت سکھائے ورنہ سب بوچڑ خانے ہیں جہاں انسانیت کی کھال اتاری جاتی ہے۔ پھر اتباع نبوت نبی پر مکمل اعتماد کا نام ہے یہ لگے ہیں میخ نکالنے جی وہ بھلا کیسی گائے ہے فرمایا نہ بچھڑی ہے نہ بوڑھی ان باتوں میں نہ پڑو میاں اللہ نے حکم دیا ہے کر گزرو اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔ مگر جناب پھر بولے جی یہ تو فرما دیجئے اپنے رب سے سوال کیجئے کہ اس کا رنگ کیسا ہے فرمایا اللہ فرماتا ہے زرد رنگ کی مزیدار اور چمک رکھنے والی ہے دیکھ کے جی خوش ہوتا ہے اب پھر بولے ایسی بھی کئی گائیں آبادی میں ہیں ذرا اپنے رب سے عرض کریں مجال ہے جو ہمارا رب کہیں "موسےٰ تیرا رب" ہر بار یہی کہتے تھے۔ سو عرض کریں کچھ اور نشاندہی بھی ہو جائے تو ہم اللہ نے چاہا تو اب کے ضرور پالیں گے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس بار انشاء اللہ نہ کہتے تو بات تک نہ پہنچ پاتے سو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حکم ہوا ہے وہ گائے نہ ہل میں جوتی گئی نہ اس نے کھیتی سیراب کی نہ اس کے جسم پہ کوئی

داغ ہے کسی طرح کی محنت و مشقت کا یا مار پیٹ کا کہنے لگے اب بات بنی اب آپ ٹھیک سمجھا سکے ہیں اور پھر ایک گائے خرید کر خواہی نخواہی ذبح کر ہی دی۔ یہاں اللہ اپنا احسان ارشاد فرما رہے ہیں۔ کہ تمہارے اجداد کیسے تھے اور کس قدر کم ہمت تھے۔ اطاعت نبی کے معاملہ میں مگر ہمارا کرم دیکھو کہ پھر بھی ان کی قربانی قبول فرمائی اور اس پر جو نتیجہ مرتب ہونا چاہیئے تھا۔ وہ مرتب فرمایا ورنہ ان کی طرف سے اس قدر کوتاہیاں ہوئی تھیں کہ اس پر کچھ بھی مرتب نہ ہوتا اور وہ ضائع جاتی۔ مگر انہیں صرف دنیاوی سختی دیکھنا پڑی کہ جس قدر سوال کرتے گئے قیود بڑھتی چلی گئیں اگر شروع میں کوئی گائے ذبح کر دیتے تو وہی کام دے جاتی مگر جوں جوں سوال کرتے گئے توں توں حلیہ مقرر ہوتا گیا سو اگر شیخ حکم دے تو اس میں مزید سوال کر کے اپنے لیے مشقت پیدا نہ کرے۔ جیسے کہ کسی کو وظیفہ بتایا جائے کہ درود شریف کی اتنی تسبیحات پڑھ لیا کرو تو جون سا درود شریف بھی پڑھ لے گا ٹھیک ہے۔ لیکن اگر پوچھ بیٹھا کہ جی کون سا تو وہی پڑھنا ضروری ہو گا۔ جو شیخ مقرر کر دے۔ یہی حال تعین وقت کا ہے۔ ورنہ مقصد پورا نہ ہو گا۔ یہاں مفسرین نے ایک اور عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ کوئی نیک شخص فوت ہوا تو اس کے پاس ایک بچھڑی تھی جو اس نے جنگل میں ہانک دی اور دعا کی کہ اللہ یہ تیرے سپرد ہے میرے بیٹے کی گزر اوقات کا سبب اسے بنا دے تو وہ خوب پلی بڑھی یہ جوں جوں سوال کرتے گئے اللہ اس کا حلیہ بیان فرماتے رہے اب اس جیسی کوئی دوسری مل نہ سکتی تھی۔ ادھر اس کے دل میں ڈال دیا کہ ان سے خوب قیمت وصول کرو چنانچہ بعض کے مطابق اس کی کھال بھر کر اشرفیاں انہیں دینا پڑیں یہ اپنی طرف سے بہت عقلمند بن رہے تھے اور میں میخ نکال رہے تھے مگر ان کی عقلمندی کا فائدہ اللہ ان کو پہنچانا چاہتا تھا جو محض اس کے بھروسے پر بیٹھے تھے سو نہ احکام شریعت پر اعتراض درست نہ اتباع شیخ میں حیل و حجت کی ضرورت اس سے دنیاوی مصائب تو ضرور ہی وارد ہوتے ہیں اور ایمان کا خطرہ اس پر مزید ہے یہاں دیوانگی کی قیمت ہے اور فریفتہ ہونے کا نام عقل ہے سوچ بچار کو یہاں مصیبت کہتے ہیں۔

رکوع ۹:

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ
مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ
الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا
يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ
وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ
عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ
وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ
بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع

ترجمہ

اور جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کر دیا پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے اس لئے ہم نے حکم دیا کہ اس کو اس کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو۔ اسی طرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی نظائر قدرت تم کو دکھلاتے ہیں اسی توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو۔ ایسے ایسے واقعات کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہنا چاہیئے کہ) ان کی مثال پتھر کی سی ہے بلکہ سختی میں (پتھر سے بھی) زیادہ سخت اور بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں۔ اور ان ہی پتھروں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور حق تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔ (اے مسلمانو) کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ یہود تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے (اور) اس کو سمجھنے کے بعد (ایسا کرتے)، اور جانتے تھے۔ اور جب ملتے ہیں (منافقین یہود) مسلمانوں سے تو (ان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے دوسرے بعض یہودیوں کے پاس تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کیا مسلمانوں کو وہ باتیں بتلا دیتے ہو جو حق تعالیٰ نے تم پر منکشف کر دی ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کر دیں گے کہ یہ مضمون اللہ کے پاس سے ہے کیا تم (اتنی موٹی بات) نہیں سمجھتے۔ کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کی بھی جن کا وہ اظہار کر دیتے ہیں۔ اور ان (یہودیوں) میں بہت سے ناخواندہ (بھی) ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن (بلاسند) دل خوش کن باتیں (بہت یاد ہیں) اور وہ لوگ اور کچھ نہیں خیالات پکا لیتے ہیں تو بڑی خرابی ان کی ہوگی جو لکھتے ہیں (بدل سدل کر) کتاب (تورات)

کو اپنے ہاتھوں سے پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خدا کی طرف سے غرض (صرف) یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کرلیں۔ سو بڑی خرابی (پیش) آوے گی ان کو اس کی بدولت (بھی) جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہوگی ان کو اس کی بدولت (بھی) جس کو وہ وصول کر لیا کرتے تھے۔ اور یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ ہرگز ہم کو آتشِ (دوزخ) چھوئے گی (بھی) نہیں مگر (بہت) تھوڑے روز جو انگلیوں پر شمار کر لیے جاسکیں آپ یوں فرما دیجیے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی معاہدہ لے لیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے یا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے کیوں نہیں جو شخص قصداً بری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا اور قصور اس طرح احاطہ کرلے (کہ کہیں نیکی کا اثر نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان لاویں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔

اسرار و معارف

پھر اس بات کو یاد کرو جب تم نے یعنی تمہارے اجداد نے ایک قتل کر دیا اور ایک دوسرے کو الزام دینے لگے مگر جس شے کو تم چھپانا چاہتے تھے اللہ انہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا یہاں تقدیم و تاخیر واقع نہیں ہے کہ قتل تو پہلے ہوا اور پھر گائے کے ذبح کا حکم اور واقعہ ہوا مگر اللہ کریم نے پہلے گائے کا واقعہ ارشاد فرمایا اور بعد میں قتل کا اس کا باعث یہ ہے کہ یہاں بنی اسرائیل پر احسانات ارشاد ہو رہے ہیں۔ تاریخ دہرانا مقصود نہیں تو گائے کا واقع اس لحاظ سے پہلے بیان ہونا چاہیے کہ دیکھو کس بے دلی سے اور پر طرح طرح کی باتیں کرکے تم نے گائے ذبح کی مگر ہماری عنایات اور ہمارے کرم کو دیکھو کہ اس سے تمہیں وہ مقصد حاصل ہو گیا یعنی قاتل کا پتہ چل ہی گیا جو تمہارے اس بے دلی کے عمل سے ہونا تو نہ چاہیے تھا مگر ہم نے حکم دیا کہ گائے کا کوئی حصہ گوشت کا کوئی ٹکڑا اس کے جسم سے لگاؤ گوشت کا

مس ہونا تھا کہ مردہ اٹھ بیٹھا اور ساری بات اپنی زبان سے بتا کر مر گیا۔ اس سے نہ صرف قاتل کا پتہ چل گیا بلکہ قدرت باری کا ایک اور مظہر تمہارے سامنے آیا اور تم نے اپنی آنکھوں سے مردہ کو زندہ ہوتے اور باتیں کرتے دیکھا اور سنا اسی طرح اللہ قادر ہے قیامت کو تمام مردوں کو زندہ کرے گا۔ تمہارے لیے کس قدر غور کرنے کا مقام ہے۔ یہاں یہ نہ سوچا جائے کہ اللہ قادر ہے خود ہی بغیر کسی گائے وغیرہ کے ذبح کے مردہ اٹھ بیٹھتا اور بتا دیتا یہ درست ہے اللہ چاہتا تو بھی ہو جاتا مگر ایک قانون ہے اللہ کا کہ دنیا کے امور اسباب سے متعلق فرمائے گئے ہیں سو یہاں گائے کا ذبح ایک سبب بنا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا مگر ترک سبب نہ فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا جا کر دم کر دو۔ یا کفار کی آنکھیں ریت سے بھر دیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مٹھی بھر ریت پھینکئے تو سہی، اگر مثالیں دی جائیں تو مضمون لمبا ہو جائے گا غرض اصلی یہ عرض کرنا ہے کہ ہر کام کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ اور اسباب اختیار کر کے نتائج کی امید اللہ سے رکھنا توکل ہے اور جو نتیجہ بھی ظاہر ہو اگر مرضی کے مطابق ہو تو اس پہ اللہ کی تعریف کرنا شکر ہے اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو اس پہ دل میں تنگی محسوس نہ کرنے اور حرف شکایت لبوں پر نہ لانے کا نام صبر ہے ترک سبب کر کے بیٹھ رہنا ہرگز توکل نہیں ثم قست قلوبکم من بعد ذالک اس قدر معجزات اور اتنی عنایات دیکھنے اور پانے کے بعد بھی تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ قساوت میں پتھر سے بڑھ گئے یہ قساوت یا نرمی وجودی شئے نہیں بلکہ کیفی ہے ورنہ تو مومن کا دل اور کافر کا دل نکال لیا جائے تو گوشت ایک ہی جیسا ہو گا۔ یہ سختی حسی نہیں بلکہ اس استعداد کے ضائع کر دینے کی کیفیت کا نام ہے جو عالم امر سے لطیفہ قلب میں اللہ نے رکھی ہے اور جس کی بدولت دل خطاب الٰہی کا رتبہ پاتا ہے اور جمال باری سے سیراب ہوتا ہے، اور پھر خلق خدا کو سیراب کرتا ہے۔ بعض اس کی وجہ سے ہدایت پاتے ہیں۔ اور جو ہدایت نہیں پاتے دنیاوی نعمتیں وہ بھی انہیں زندہ دلوں کے صدقے میں کھاتے ہیں کہ جب کوئی دل زندہ نہ رہا یہ جہان ہی نہ رہے گا اور قیامت برپا ہو گی تو جو دل

اللہ کی عظمت کا احساس کھو بیٹھا اور یاد الٰہی سے خالی ہوا تو پتھروں سے بھی گیا گزرا ہے
کہ بعض پتھروں اور چٹانوں سے نہریں جاری ہیں جو ایک عالم کی سیرابی و شادابی کا باعث
بنتی ہیں یا پتھر بعض سے کم پانی نکلتا ہے مگر کسی نہ کسی درجہ میں خلق خدا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔
اور اس سے کم تر درجہ میں وہ پتھر بھی ہیں جو بعض اوقات محض خشیت باری سے اور عظمت الٰہی
کے خوف سے گر پڑتے ہیں چلو روحانی نہ سہی تو دنیا کے لیے مادی فوائد کا سبب تو بنتے ہیں۔
تم تو ان سے بھی گئے گزرے ہو کہ تمہاری قساوت قلبی نے لوگوں کو مادی طور پر بھی دکھ اور
مصیبت ہی دی ہے کہ دنیا میں فساد پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ افتطمعون ان یومنوا
لکم ..... وھم یعلمون : اب اے مسلمانو کیا تم ایسے مردہ دلوں سے ایمان کی امید رکھتے
ہو حالانکہ اس مردہ دلی سے بڑھ کر اس قدر خواہشات نفسانی کے اسیر ہیں کہ ان میں
بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ کے کلام کو سنا سمجھا اور پھر جان بوجھ کر اسے
اپنے مطلب کے مطابق تبدیل کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ بے علمی کا گناہ بھی گناہ ہے مگر
جانتے ہوئے محض اپنی غرض پوری کرنے کو تاویلات باطلہ کا سہارا لینا اور اللہ کے کلام کو
بدل دینا یا اس کا مفہوم غلط بیان کرنا اس قدر گری ہوئی باطنی کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے
کہ ایسے لوگوں کو کبھی ایمان نصیب ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہاں صرف قصہ خوانی مقصود
نہیں بلکہ ان یہود کو جن کے آباؤ اجداد کے یہ افعال تھے اور جن پر وہ بھی راضی تھے متنبہ
کیا جا رہا ہے ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی احساس دلایا جا رہا ہے کہ انہوں نے موسٰے علیہ السلام
اور ان کی شریعت سے یہ سلوک کیا تو اس درجہ ذلیل ہو گئے دھیان رکھنا تمہارے پاس تو
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی شریعت ہے خدا ہمیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے
کی توفیق عطا کرے : آمین۔ اذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا ..... وما یعلنون : انہی کا حال بیان
فرماتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ یہ ایسے بدبخت ہیں جو نہ صرف خود کو مذہب اور
ہم مذہبوں کو دھوکا دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں اور اپنے
مسلمان ہونے کا اعلان تک کر گزرتے ہیں۔ مگر جب آپس میں جمع ہوتے ہیں تو ایک
دوسرے کو تنبیہ کرتے ہیں کہ ایسی باتیں کیوں مسلمانوں سے کہہ دیتے ہو جو اللہ

نے توریت کے ذریعے تم پر منکشف فرمائی ہیں کہ بعض یہودی یہ باتیں کر گزرتے تھے نزول قرآن یا بعثت نبوی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے کی تاکید یا صحابہ کرام کی تعریف و توصیف تورات میں اس طرح مذکور ہے تو وہ کہتے کہ یہ باتیں کر کے تم اپنے خلاف ایک مضبوط دلیل مسلمانوں کے ہاتھ دے رہے ہو جو تمہیں آج دنیا میں بھی اور کل اللہ کی بارگاہ میں بھی مغلوب کر دیں گے تمہیں اتنی عقل بھی نہیں فرمایا یہ اس قدر بودی عقل کے مالک ہوتے ہیں کہ یہ تک نہیں جان رہے کہ تم جس رب سے چھپانا چاہتے ہو وہ تو ایسا قادر ہے کہ اس کا علم اس قدر مکمل اور جامع ہے کہ تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ وہ ہر حال میں جانتا ہے۔ یہ سب اثرات قساوت قلبی کے ہیں کہ جب دل سیاہ ہو کر سخت ہو جاتا ہے تو جسم سارے کا سارا غلط سمت کو چل نکلتا ہے ہاتھ پاؤں ہی نہیں بلکہ دماغ تک الٹی سمت رواں ہو جاتے ہیں اور عقل اندھی ہو جاتی ہے نہ صرف انسانوں سے بلکہ اللہ سے بھی دھوکہ کرنے کی سعی ہوتی ہے حالانکہ یہ کتنی موٹی بات ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اس سے کچھ چھپانا ممکن ہی نہیں مگر یہ بات بھی عقل میں نہیں آتی بلکہ لوگ دو طرح سے بن جاتے ہیں جیسے آگے یہود کے دو طبقوں کے حالات ارشاد ہوتے ہیں۔

کہ ایک طبقہ تو ان میں ناخواندہ اور جہلا کا ہے لایعلمون الکتب۔ جو اللہ کی بات کی عزت عظمت اور برکات سے ناآشنا ہیں اور محض اپنی خواہشات کی تکمیل کے حیلوں کو مذہب کا درجہ دے رکھا ہے اور وہ اپنے زعم میں تو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی ان کا وہم ہی ہے حقیقتاً وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ تو سادہ سی بات ہے کہ جب ان کے دل سے اللہ کی کتاب کی عظمت گئی اللہ کی بارگاہ سے ان کی عزت ختم ہو گئی اور کوئی حیثیت نہیں رہی دوسرے وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں جو کتاب اللہ کی آیات بدل دیتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے لکھ لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ غرض اصلی صرف روپیہ بٹورنا اور ذاتی وقار کو قائم رکھنا ہے مثلاً اسی

موضوع پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعریف جو ان کے ہاں مذکور ہے اپنی قوم کو نہیں بتاتے پھر حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے ہیں۔ محض حیلے بہانے کر کے کہ غرض اصلی دنیا ہے دین نہیں ہے تو ان پہ دوہری مار پڑ گئی ایک کلام الٰہی میں تحریف کرنے اور دوسرے لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر کھانے کی۔ یہی حال ہمیشہ سے علماء سوء کا رہا ہے کہ کتابیں پڑھتے ہیں مگر دل اندھے رہتے اور پھر مقصد حیات بدل جاتا ہے کہ رضائے باری کی جگہ حصول دنیا لے لیتی ہے۔ اور ان کا علم چند ٹکوں کے عوض بکتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ غلط سلط مسائل گھڑتے ہیں اور خدا سے خوف نہیں کھاتے وقالوا لن تمسنا النار...... ھم فیھا خالدون ۰ تک یایں ہمہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم کو آگ نہ چھوئے گی اگر گناہوں کے بدلے دوزخ جانا بھی پڑا تو وہ محض چند روز ہوگا کہ بوجہ ایماندار ہونے کے ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے یعنی حال یہ ہے کہ سارا دین بدل کر رکھ دیا۔ حلال و حرام کو خلط ملط کر دیا جہلا نے رواج کو دین کا درجہ دے رکھا ہے اور علماء ہیں کہ اپنی طرف سے مسائل گھڑتے چلے جا رہے ہیں جو صریحاً کتاب کی خلاف ورزی بھی ہے۔ مثلاً تورات میں بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم موجود تھا آپ کے اوصاف بلکہ آپ کے خدام کے اوصاف موجود تھے اس ساری بات سے ہٹ ہنوز اپنے کو آگ سے بری بھی خیال کرتے ہیں تو ان سے ذرا یہ تو فرمائیے کہ تمہاری ذات سے اللہ کا کوئی وعدہ ہے اگر ایسا ہے تو پھر اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا لیکن اگر بات ذات کی نہیں بلکہ صفات کی ہے تو ایمانداروں کے سارے اوصاف تم میں ناپید ہیں پھر تو تم اللہ پر بھی بہتان تراشی کر رہے ہو کہ ان عقائد باطلہ کے ساتھ تمہیں بخش دے گا۔ اللہ اللہ۔ یہ کیسی تصویر کشی ہے آج کے گمراہ معاشرے کی جو اپنی کرتوتوں کے ساتھ اپنے اسلام کا مدعی بھی ہے۔ فرمایا میاں سیدھی سی بات ہے کہ کسے باشد کوئی بھی ہو عالم یا جاہل مرد یا عورت شاہ ہو کہ گدا جو برائی اور خطا کاری کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہی اس کا اوڑھنا بچھونا بن جائے اور اس میں نیکی کا اثر تک نہ رہے وہ دوزخ کا رہنے والا ہے جہاں ابدالآباد

رہے گا کہ گناہ کی زد آخر ایمان پہ پڑتی ہے اگر کوئی مسلسل گناہ کرتا رہے تو ایک روز اس کا عقیدہ بھی چلا جاتا ہے۔ جب عقیدہ گیا تو پہلی نیکیاں بھی ضائع ہو گئیں اور آئندہ اگر کوئی اچھا کام بھی کر بیٹھا تو عند اللہ مقبول نہ ہوا تو گویا اس کے وجود میں ذرہ برابر نیکی کا اثر باقی نہ رہا اور وہ ہمیشہ کا دوزخی بن گیا ہاں ایسے لوگ والذین آمنوا۔۔۔۔۔ جو نبی کی بات پر یقین رکھتے ہیں توحید باری کلام باری دین خدا با طریق عبادت فرائض ہو کہ نوافل سب کیا ہے۔ ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا ہو کہ عقبےٰ جنت ہو یا دوزخ حشر نشر ہو کہ میزان یہ تمام امور اور ان سے متعلق علم اور عقیدہ یہ سب کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا نام ہے تو جو صدق دل سے اس پر یقین کرے اور عملاً اپنے کو حضورؐ کے احکام کا تابع بنا لے وعملوا الصلحت کہ اچھے کام کرے تو اچھا کام بھی سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے سو جس میں ایمان ہو اور نیکی کرے وہ ہے جنت کے قابل اور ایسے لوگوں کو جنت نصیب ہو گی جہاں وہ ابدالآباد رہیں گے

رکوع ۱۰

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف
وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا
لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ
وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ
اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ
بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤی اَشَدِّ
الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا
الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○ ع

ترجمہ:

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توراۃ میں) قول و قرار بنی اسرائیل سے عبادت مت کرنا کسی کی، بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ پھر تم (قول و قرار کرکے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کرکے ہٹ جانا۔ اور (وہ زمانہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول و قرار (بھی) لیا

کہ باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا پھر تم نے اقرار بھی کر لیا اور (اقرار بھی ضمناً نہیں بلکہ ایسا صریح جیسے تم شہادت دیتے ہو پھر تم یہ آنکھوں کے سامنے موجود ہی ہو (کہ) قتل و قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو (اس طور پر کہ) ان اپنوں کے مقابلہ میں (انکی مخالف قوموں کی) امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ اور ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کر کرا کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات (بھی معلوم) ہے کہ تم کو ان کا ترک وطن کرا دینا نیز ممنوع ہے کیا تو (بس یوں کہو کہ) کتاب (توراۃ) کے بعض (احکام) پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے سو اور کیا سزا ہو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز رسوائی کے دنیوی زندگی میں اور روز قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈال دیے جاویں اور اللہ تعالی (کچھ) بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال (زشت) سے یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دنیوی زندگانی (کے حظوظ) کو لے لیا ہے بعوض (نجات) آخرت کے سو نہ تو ان کی سزا میں (کچھ) تخفیف کی جاوے گی اور نہ کوئی ان کی طرفداری (پیروی) کرنے پاوے گا۔

اسرار و معارف

بنی اسرائیل ہی کی روایتی حالت بیان فرماتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ ذرا وہ منظر چشم تصور کے سامنے لاؤ جب ہم نے ان سے عہد لیا تھا کہ سب سے پہلی بات یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے ، دوسرے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو گے اور تیسرے یہ کہ یتیموں اور مساکین کے ساتھ احسان کرو گے اور چوتھے یہ کہ نوع انسانی تمہارے حسن کلام ستفید ہوگی اور پانچویں یہ کہ نماز ادا کرو گے اور جو صدقات فرض ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو گے۔ مگر سوائے معدودے چند لوگوں کے تم ان باتوں سے پھر گئے۔ یہود دعوے تو اللہ ہی کی عبادت کا رکھتے تھے مگر عملاً اپنے علماء اور رہبان جو کہتے کر گزرتے تھے خواہ وہ اللہ کی اطاعت کے خلاف ہی ہوتا ان کی اس حرکت کو اللہ کریم نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا

من دون اللہ کہ انھوں نے اللہ کریم کو چھوڑ کر علماء سو اور اپنے بے دین پیروں کو اپنا رب بنا لیا ہے یہ دونوں ادارے یعنی علماء اور پیر ہی اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں اور دوسرے لوگ اپنی عملی زندگی میں ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے محتاج مگر جب یہ بگڑتے ہیں تو اللہ کی پناہ قوموں کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں جیسے یہود کے علماء نے اور ان کے پیروں نے یہاں تک زیادتی کی کہ اللہ کی کتاب کو بدل کر رکھ دیا انبیاء جو اصلاح احوال کے لیے تشریف لائے ان کو قتل کیا حتیٰ کہ خود حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے اوصاف جو تورات میں مذکور تھے بدلے اور آپؐ سے قتال سے بھی باز نہ رہے اور یہ قوم آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے دوڑتی رہی جسے اللہ نے سخت ناپسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر ان ہی کی پوجا شروع کر دی حالانکہ یہ لوگ اللہ کی طرف بلاتے تو ان کی اطاعت ضروری تھی مگر جب یہ خود اس راہ سے بھٹکے تو تمہیں چاہیے تھا کہ ان کو چھوڑ دیتے اسی طرح جو شخص اپنے نفس اور خواہشات نفس کی تکمیل میں حدود اللہ کی پرواہ نہیں کرتا وہ بھی غیر اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے۔ جس کے لیے ارشاد ہوا اتخذ الٰہہ ھواہ۔ دراصل عالم کا منصب مذہب ایجاد کرنا نہیں بلکہ مذہب بیان کرنا ہے اور اللہ اور اس کے نبی کی بات کو خلق خدا تک پہنچانا ہے۔ اگر وہ باتیں گھڑنے میں لگ گیا تو بھٹک گیا رہا پیر تو پیر علماء سے ہی بنتے ہیں۔

یعنی ہر عالم پیر نہیں ہوتا مگر ہر پیر عالم ہوتا ہے کہ جاہل کی تو سرے سے بیعت ہی حرام ہے عالم ارشادات نبوت کو لوگوں تک پہنچاتا ہے تو پیر ارشادات کے ساتھ انوارات اور برکات کا حامل بھی ہوتا ہے اور یہ سب کچھ تب ہی ہوگا جب وہ خود اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گزار ہوگا اگر وہ اپنی زندگی سنت کے خلاف رکھتا ہے تو اس کے پاس برکات کہاں اور دوسروں کو سوائے گمراہی کے اس سے کیا حاصل اس کے بعد دوسرا درجہ والدین سے حسن سلوک کا ہے کہ وہ تیرے دنیا میں آنے کا سبب بنائے گئے اولاد پر اور اس کے مال پر ان کا حق ہے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہوں ان کی عزت بہرحال ضروری ہے دین کے معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کرے تو ان کو بے عزت بھی نہ کرے اور

ترحقیر جانے بلکہ ان کی اصلاح کے لیے دعا کرتا رہے۔ اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے دوستی کرنے سے پہلے اسے دیکھ لو کیا اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اگر ایسا نہیں تو کم از کم اپنے والدین کی عزت کرتا ہے جنہوں نے دنیا میں اس کے ساتھ سب سے زیادہ بھلائی کی ہے اگر ایسا نہیں تو تو اس سے کیا امید وفا رکھتا ہے۔ والدین کے بعد قرابت داروں کا حق ہے ان سے حسن سلوک کرو قرابت کو قائم رکھو اور قطع رحمی کے قریب نہ پھٹکو پھر معاشرے میں مستحق افراد یعنی یتیم اور مسکین لوگ تمہاری توجہ سے محروم نہ رہیں۔ حتیٰ کہ نوع انسانی کے بھی خواہ رہو اور لوگوں سے حسن کلام رکھو ان سے بدکلامی نہ کرو یعنی ہمیشہ پیار و محبت سے حق بات پہنچاتے رہو حسن کلام یہ ہے کہ کلام حق بھی ہو اور مناسب طریقے سے کہی بھی جائے مداہنت یعنی محض کسی کو خوش کرنے کی خاطر غلط باتیں اور بے جا خوشامد کو حسن کلام نہیں کہا جا سکتا نیز نماز ادا کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ یعنی معاملات کی اصلاح پہ صلاحیت عبادات کا مدار ہے ترتیب قرآنی سے یہ بات واضح ہے کہ جب تک معاملات درست نہ ہوں گے عبادات میں لذت کہاں بلکہ اگر بات زیادہ بگڑی تو عبادات چھوٹ ہی جائیں گی۔ جیسا کہ آج کل حالات سامنے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اپنے معاملات درست نہ رکھ سکے نتیجۃً عبادات گئیں اور بالآخر ایمان رخصت ہو سوائے ان چند لوگوں کے جنہیں اللہ نے توفیق استقامت عطا کی اور آخر کار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جنہوں نے ان میں سے پایا انہیں آپؐ پر بھی ایمان لانا نصیب ہوا تو فرمایا تم ہی ہو بدعہد اور پھر جانے والے لوگ یہی ایک بات تھوڑی ہے بھلا وہ وقت یاد کرو واذا خذنا میثاقکم لا تسفکون دماءکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وانتم تشھدون ۸۴ کہ جب ہم نے تم سے یہ عہد لیا کہ اپنا خون نہ گراؤ گے اور نہ اپنی جانوں کو وطن سے نکلنے پر مجبور کرو گے یہ ہے اخوت اسلامی کہ مسلمان سارے ایک ہی بدن کے اجزاء ہیں اگر مسلمان دوسرے مسلمان کو ناجائز قتل کرتا ہے تو گویا وہ اپنا حصہ جسم کاٹ رہا ہے اور اپنا ہی خون گرا رہا ہے یا اپنی قوم کے افراد کو تنگ کر کے ترک وطن پہ مجبور کرتا ہے۔ تو گویا اپنی ہی جان کو دیس بدر کر رہا ہے یہ ایسا عہد ہے جس کا تم نے نہ صرف اقرار کیا تھا بلکہ

اب تک تسلیم کرتے ہو اور مانتے ہو ثم انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم ...... وما اللہ بغافل عما تعملون ۸۵ پھر کیا تم نے اس کا پاس کیا ہرگز نہیں بلکہ اسے بھول گیا اے بنی اسرائیل یہ تم ہی ہو جو آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہو اور اپنوں کو اس قدر تنگ کرتے جور و تعدی سے کر وہ ترک وطن پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب کسی کو قید کی حالت میں پاتے ہو تو اسے آزاد کراتے ہو اور اس کی خاطر رقمیں خرچ کرتے ہو کہ ہمارا دینی بھائی ہے حالانکہ اس کو اس ذلت تک پہنچانے والے بھی تو تم ہی ہو اور اس کو ذلیل و خوار کر کے ترک وطن پہ مجبور کرنا اس کو ایذا دینا ہی تو تم پہ حرام تھا وہاں تمہیں اللہ کی اطاعت کیوں بھول گئی کیا اللہ کی کتاب کے بعض احکام پہ ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کر بیٹھے ہو کہ اسے کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے سو اگر انکار ہی ہے تو یاد رکھو کہ تمہارے اس فعل پر تو تمہیں دنیا میں ذلت نصیب ہو گی اور تم کبھی عزت کی زندگی بسر نہ کر پاؤ گے۔ یعنی جس شئے کے حصول کے لیے تم نے دوسروں کی گردن کاٹی کہ میں اس کی دولت سمیٹ لوں یا میری دھاک بیٹھ جائے وہ تمہیں حاصل نہ ہو سکے گی اور یہی اصول ان قوموں پہ لاگو ہے جو اس جرم کا ارتکاب کرتی ہیں کہ عزت کی زندگی سے محروم ہو جاتی ہیں اور خانہ جنگی کبھی عروج کا سبب نہیں بنی یہ تو اس عمل کا دنیاوی نتیجہ تھا اب آخرت میں اس عمل کے ساتھ احکام الہٰی کا انکار اگرچہ ایک ہی کا کیوں نہ ہو بھی شامل ہو گیا جو کفر ہے صرف عمل نہ کرنا تو فسق ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ لوگ کہتے ہیں یہ حکم ہے ہی فضول اور ناقابل عمل تو یہ صریح کفر بن جاتا ہے اور اشد عذاب یعنی بہت سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا اور یاد رکھو اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح آگاہ ہے یعنی ایسا بھی ہرگز نہیں کہ دیکھ تو رہا ہو مگر نگاہ میں سستی ہو اور موٹی موٹی باتیں دیکھ لیں کچھ رہ بھی گئیں نہیں ہرگز نہیں وہ پوری طرح تمام اعمال و افعال کے ساتھ سارے دلی عقائد کو بھی دیکھ رہا ہے۔

رکوع ١١ :

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ
وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ
فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ۝ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا
وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ
مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى
بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ
بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ
اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ
اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ
لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (توریت) دی اور (پھر) ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور (پھر) ہم نے عیسیٰ بن مریم کو (نبوت کے) واضح دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کو روح القدس سے تائید دی کیا جب کبھی (بھی) کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا (جب ہی) تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا سو بعضوں کو تو تم نے جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو بیدھڑک) قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور وہ (یہودی افتخاراً) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اس کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے جو (پہلے سے) ان کے پاس ہے (یعنی توریت) حالانکہ اس کے قبل وہ (خود) بیان کیا کرتے تھے کفار سے پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ (خوب جانتے) پہچانتے ہیں تو اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے سو (بس) خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر۔ وہ حالت (بہت ہی) بُری ہے جس کو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں (اور وہ حالت) یہ (ہے) کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالےٰ نے نازل فرمائی محض (اسی) ضد پر کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو نازل فرما دے سو وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کفر کرنے والوں کو سزا ہو گی جس میں ذلت (بھی) ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان (تمام) کتابوں پر جو اللہ تعالےٰ نے متعدد پیغمبروں پر نازل فرمائی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (تو صرف) اس (ہی) کتاب پر ایمان لاویں گے جو ہم پر نازل کی گئی ہے (یعنی توریت) اور جتنی اس کے علاوہ ہیں ان (سب) انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی حق ہیں اور تصدیق کرنے والی بھی ہیں اس کی جو ان کے پاس ہے (تورات کی) آپ کہیے کہ (اچھا تو) پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس کے قبل کے زمانہ میں اگر تم (تورات پر) ایمان رکھنے والے تھے۔ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں لائے (مگر) اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کر لیا

موسیٰ (علیہ السلام) کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم ستم ڈھا رہے تھے۔ اور جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے (سروں کے) اوپر لا کھڑا کیا تھا لو جو کچھ (احکام) ہم تم کو دیتے ہیں ہمت اور (پختگی) کے ساتھ اور سنو اس وقت انہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا اور ہم سے عمل نہ ہوگا اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) ان کے قلوب میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا ان کے کفر (سابق) کی وجہ سے آپ فرما دیجئے کہ یہ فعل بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو رہا ہے اگر تم اہل ایمان ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر (بقول تمہارے) عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلا شرکت غیرے تو تم (اس کی تصدیق کے لئے ذرا) موت کی تمنا کر (کے دکھلا) دو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوف سزا) ان اعمال (کفریہ) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور حق تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال) کی۔ اور آپ (تو) ان کو حیات (دنیویہ) کا حریص اور (عام) آدمیوں سے (بھی) بڑھ کر پاویں گے اور مشرکین سے بھی ان میں کا ایک ایک (شخص) اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور یہ امر عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ (کسی) کی بڑی عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے سب پیش نظر ہیں ان کے اعمال (بد)

اسرار و رموز

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی ایک لائحہ عمل پوری زندگی کا پروگرام اور ایسا جو دنیا و آخرت ہر دو عالم کی کامیابی کا ضامن ہو ورنہ انسان کی ساری سوچ بچار ساری تگ و دو اور انتخاب و اسمبلیاں صرف اس لیے ہیں کہ زندگی بسر کرنے کا بہترین طریقہ تلاش کیا جائے مگر ہم نے آسمان سے کتاب نازل فرما کر اللہ کی طرف سے تمہیں ایک مکمل ضابطہ حیات عطا فرمایا اور ساتھ ایک اولوالعزم رسول بھیجا کہ صرف کتاب نافع نہیں جب تک دل پاک ہو کر اس کی تعلیمات کو قبول نہ کرنے لگ جائیں اور جب یہ استعداد حاصل ہو تب بھی کتاب اللہ کی شرح نبی اور رسول ہی کر سکتا ہے کہ ہمیشہ کتاب میں اجمال ہوتا ہے اور اس کی شرح انبیاء فرماتے ہیں۔ جو

براہِ راست اللہ سے تعلیم پاتے ہیں یہی حال یہاں ہے کہ سب سے عظیم کتاب سب سے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور جوتے کے تسمہ باندھنے اور رفع حاجت کرنے سے لے کر امور سلطنت تک ہر شے تعلیم فرمائی مگر اس کا کیا کیا جائے کہ جب دل ہی فیضان نبوت سے خالی ہوں تو کتاب سے کیا حاصل کر سکے گا پھر یہ بات صرف موسیٰ علیہ السلام پر ختم نہ کر دی بلکہ ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے جو سب دلوں کو زندہ کرنے کی قوت رکھتے تھے اور فیضان باری کے خزینے تھے حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام معبوث ہوئے جن کے پاس واضح معجزات بھی تھے اور جبرائیل امین جیسے عظیم فرشتے ہر وقت ان کی اطاعت میں کھڑے تھے کہ تعمیل ارشاد کریں۔ نبی سب معصوم عن الخطا ہوتے ہیں مگر اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت بھی ارشاد فرمائی کہ جبرائیل امین کے دم کرنے سے حمل قرار پایا۔ ولادت کے وقت وہی خادم تھے پردے کے پیچھے کھڑے خطاب فرما رہے تھے۔ بعد ولادت ساتھ رہے زندگی بھر حفاظت کی اور انہی کے ذریعہ آسمان پر اٹھائے گئے یعنی ان کا مزاج ہی کامل ملکوتی تھا کہ نہ جماع سے پیدا ہوئے اور نہ ابھی خود کیا ہی تھا جماع اگرچہ خود اطاعت بن کر ثواب کا سبب بنتا ہے مگر بہرا ایک ایسا فعل ہے جو مکمل توجہ اپنی طرف جذب کرتا ہے اور احوال میں چند لمحوں کے لیے ایک انقطاع پیدا کر دیتا ہے جس کی تلافی کے لیے پھر کچھ وقت کچھ محنت ضرور درکار ہوتی ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں یہ بھی نہ تھا اگرچہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو شادی بھی کریں گے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے مگر جس وقت کی بات ہو رہی اس وقت حالت ایسی ہی تھی اسی طرح امت مرحومہ میں بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کتاب اللہ کی حفاظت بھی اللہ خود کر رہا ہے اور فیضان نبوی کے خزینے یعنی اولیاء اللہ بھی ہر دور کو منور فرما رہے ہیں یہ حدیث جس کا مفہوم میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں انہی روشن چراغوں کے حق میں ہے جو علوم ظاہرہ کے ساتھ ساتھ سینے اور قلوب بھی منور رکھتے ہیں اور دوسروں تک یہ روشنی پہنچانے کی استعداد رکھتے ہیں محض چند گردانیں یاد کر کے انہیں روٹی کا ذریعہ بنانے والے اس کا مصداق نہیں ہو سکتے۔ تو تمہاری

حالت یہ ہے کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنے نفس کی کسوٹی پہ جانچا، نفس تو مختلف مادی اجزاء کے یکجا ہونے کی وجہ سے صورت پذیر ہوتا ہے سو اس کی ساری توجہ مادی لذات کی طرف ہوتی ہے یہ تو روح اور دل ہے جو عالم بالا کے حقائق سے منور ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ نفس کو بھی منور کر کے اس کی خواہشات بدل دیتا ہے برعکس اس کے تم نے نفس کو روح و دل پہ مسلط کیا جو انبیاء سے حصول فیض تو کجا الٹا ان سے اکڑ گیا، یہاں تک کہ تم بحیثیت قوم اکثر انبیاء کے قتل کے مرتکب ہوئے اور بہتوں کی تکذیب کرتے رہے تکبر نفس نے تکذیب پہ ابھارا اور تکذیب سے دل اسقدر سیاہ اور سخت ہوئے کہ انبیاء کے قتل سے بھی تم نے دریغ نہ کیا۔ یہی حال اکثر اہل اللہ کا ہوا ہے اور ہو رہا ہے کہ لوگ استفادہ کرنے کی بجائے ان کی ایذا کا سبب بنے رہتے ہیں، اور ان کو اپنے فتووں کی زد میں رکھتے ہیں بنیادی سبب وہی تکبر ہے۔ وقالوا قلوبنا غلف ...... فقلیلاً ما یومنون اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی ہے کہ جی ہمارے دل تو پردوں کے اندر ہیں کبھی میلے نہیں ہوتے ہمیشہ حق بات قبول کرتے ہیں اگر تمہاری باتوں میں وزن ہوتا تو ہمارے دل قبول کرتے فرمایا یہ بات نہیں کہ انبیاء کی بات بے وزن ہے بلکہ قبول نہ کرنے والوں کے دل کفر کے سبب لعنت الٰہی اور حق سے دوری کی سزا میں گرفتار ہیں۔ جیسے پہلے تھے ایسے ہی اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر رہے ہیں، یہ ان کے کفر اور ان کی بے راہ روی کی سزا ہے یہاں سے خوب پتہ چلتا ہے کہ کثرت گناہ بلآخر ایمان کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ دل سیاہ ہوتے ہوتے اسقدر سخت ہو جاتے ہیں کہ ان پر حق بات اثر نہیں کرتی ورنہ اہل کتاب کی حالت یہ ہے کہ قرآن کو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جانتے اور خوب پہچانتے ہیں مگر توفیق ایمان نہیں رکھتے۔ ولما جاءھم کتٰبٌ من عند اللہ ...... فلعنۃ اللہ علی الکٰفرین ۸۹ کہ جب اللہ کی وہ کتاب ان کے پاس پہنچی جو ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ جملہ آسمانی کتابوں میں توحید رسالت آخرت اور عبادت الٰہی وغیرہ ہی تو ہیں جو قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ بھی کہ ان کی کتاب یا پہلی

سب کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن کی بشارت ہے تو یہ بعثت اور نزول اس کی تصدیق کا سبب بن گئے کہ واقعی ایسا ہوا جس کی خبر کتاب میں پہلے موجود تھی اور یہ لوگ تو کافروں کے مقابلے پر جنگ میں بھی فتح انہی کے وسیلے سے مانگتے تھے۔ یعنی آنے والے نبی اور کتاب کی عظمت سے اس قدر آشنا تھے کہ اللہ کو ان کا واسطہ دے کر کفار پر فتح طلب کرتے تھے، اور پاتے تھے اور میدان مناظرہ میں بھی ان کو دلائل سے عاجز کرتے تھے ہم صاحب کتاب ہیں اگرچہ انبیاء کا زمانہ دور ہوا اور برکات اٹھ گئیں مگر اب نبی آخر الزمان کا وقت ظہور قریب ہے ہم آپ کے ساتھ مل کر تمہیں خوب سزا دیں گے مگر ہوا کیا جب وہ ہستی وہ کتاب آ پہنچی وہی شے جس کو یہ خوب جانتے تھے تو اس کا انکار کر دیا سو لعنت ہے اللہ کی ایسے کافروں پر یعنی وہ غضب الٰہی کا شکار ہیں بئسما اشتروا بہ انفسھم ...... وللکفرین عذاب مھین ۹۰ بہت برا سودا کیا ہے ان کے نفوس نے کہ محض حسد اور بغض کی وجہ سے محض دنیا کا جھوٹا وقار قائم رکھنے کو اللہ کی نازل کردہ نعمتوں یعنی نبوت اور کتاب کا انکار کر بیٹھے۔ یہ نبوت کو بھی اپنی پسند کے تابع رکھنا چاہتے ہیں کہ اگر بنی اسرائیل سے نبی ہوتا تو ہم مان لیتے جی بنی اسرائیل سے باہر نبوت کیسے ہو سکتی ہے فرمایا کیوں نہیں ہو سکتی اللہ اپنی عطا میں کسی کا پابند نہیں ہے جس پر چاہے اور جو چاہے کرم کر دے اپنے بندوں کو نوازتا ہے من عبادہ یعنی اس کے مقبول بندے بھی سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بھی بعض کو خصوصی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے یہی یہودیانہ روش اب کے جاری ہے کہ کسی بزرگ کے خاندان سے ہونا ضروری ہے خواہ خود بدکار ہی ہو پیر مانا جائے گا اور اگر ایسا نہیں تو کتنا ہی نیک اور صاحب دل بھی ہو اکثر لوگ محروم رہیں گے انہوں نے نبوت کو میراث جانا یہ ولایت کو میراث جانتے ہیں سو ایسا کرنے سے یہ لوگ دوہرے غضب کا شکار ہوئے کہ ایک تو اللہ کے نبی کا انکار کیا دوسرے عطائے باری پہ بھی اعتراض ہے تمہیں اپنی اس جرأت بے جا کا پتہ چلے گا کہ کافروں کے لیے عذاب بھی ہے اور ذلت بھی یعنی انہیں عذاب میں تکلیف کے علاوہ تذلیل کا سامنا بھی کرنا

ہوگا برخلاف اس کے کہ اگر مومن گرفتار بلا ہوا تو محض گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہوگا اس کی عزت قائم رکھی جائے گی۔ معاملہ رب کے اور اس کے بندے کے درمیان ہوگا لوگوں میں ذلیل نہ کیا جائے گا۔ واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور.....

ان کنتم مومنین ۹۳ باتیں بہت کرتے ہو حالانکہ حال تمہارا یہ ہے کہ تم سے اطاعت کا عہد لینے کے لیے تم پر کوہ طور کو معلق کیا گیا کہ اللہ کے احکام اچھی طرح سنو اور ان پر پوری محنت اور دیانتداری سے عمل کرو یہ کسقدر احسان عظیم تھا کہ اضطراراً تمہیں اطاعت پر لایا گیا حالانکہ عمومی قانون یہ نہیں ہے ورنہ تو اس طرح سب کے لیے آسانی ہو جائے اور تم نے عہد کیا قالوا سمعنا تم نے وعدہ کیا کہ اللہ ہم نے خوب سن لیا ہے مگر تمہارے عمل اور بعد کی زندگی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ تم نے اطاعت نہ کی اور نافرمانی میں مبتلا رہے یعنی یہ تو ایسے لوگ ہیں کہ ان کی ناشکر گزاریوں کے باعث اور عبور دریا کے بعد پھر مبتلائے کفر ہونے کے باعث ان کی توبہ ناقص رہی جس کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت ڈال دی گئی "واشربوا" ان دلوں کو بچھڑے کی محبت سے سیراب کیا گیا۔ یہاں واقعہ رفع طور کی تکرار نہیں بلکہ ان کی ناشکری کا ایک درجہ اور اس کی کیفیت کا بیان مقصود ہے کہ بت پرستوں کو مصروف عبادت دیکھ کر کہہ اٹھے تھے یا موسیٰ اجعل لنا الٰہ انکو اس کفر سے اگرچہ موسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹ ڈپٹ کر توبہ تو کرائی مگر ان سے حقیقی توبہ نہ ہو سکی حتیٰ کہ ان پر پہاڑ معلق کیا گیا اور اس وقت اطاعت کا وعدہ کر کے عملاً غلط روش اپنائی اسی کفر کی وجہ سے لوگوں میں اللہ کی محبت جگہ نہ پا سکی بلکہ غیر اللہ کی ایک بت کی ایک بچھڑے کی محبت ڈال دی گئی ان سے من حیث القوم کیا امید وفا کہ ان کرتوتوں کے ساتھ دعوائے ایمان بھی ہے۔ ان سے فرما دیجیے کہ اگر تمہارا ایمان یہی ہے کہ کفر و شرک بھی کیا جائے حرام و حلال کی تمیز بھی نہ ہو حتیٰ کہ قتل انبیاء بھی صادر ہو اور ایمان بھی باقی رہے تو یہ بہت بڑا ایمان ہے یعنی یہ ایمان ہرگز نہیں بلکہ کفر کا پلندہ ہے جس کا نام تم نے ایمان رکھ لیا ہے۔ جیسے آج کل دعویٰ ایمان بھی ہے اور سنت رسول ﷺ کو مٹا کر رسوم کو عبادت کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ ذات و صفات باری میں شرک

بھی کیا جا رہا ہے اور نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانی کے ٹھیکیدار ہونے کے مدعی بھی ہیں سو کوئی شخص بغیر عقائد کے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے اور بغیر ان اعمال کے جن کی اصل سنت سے ثابت ہو کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ خواہ کیسے بھی دعاوی کرتا رہے اب ان کے دعوے کو دوسری طرح سے جانچ لیں قل ان کانت لکم الدار۔۔۔۔۔ واللہ علیھم بالظلمین ۹۵ کہ یہود کہتے تھے لن تمسنا النار ایاماً معدودہ ۔ لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصٰرٰی یا نحن ابنٰؤ اللہ واحبآؤہٗ تو ان سب دعوں کی بنیاد یہ تھی کہ ہم حق پر ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور یہ محض لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں ورنہ دل سے جانتے ہیں کہ آپؐ نبی برحق ہیں اگر ایسا نہیں تو آؤ اب تک بات عقل و

موت کی تمنا

نقل کی حدود میں رہی اب ذرا فوق العادت اور معجزانہ طور پہ تمہارے دعاوی کو پرکھ لیا جائے کہ اگر تم سچے ہو تو ذرا موت کی تمنا کرنا یا نہ کرنا یا کن حالات میں جائز ہے اور کن میں نہیں یہ دوسرا مسئلہ ہے یہاں اس سے بحث نہیں یہاں مقصد اس بات کا اظہار ہے کہ ان یہود کو جو آپؐ کی مخالفت پہ کمر بستہ ہیں۔ آپ کی نبوت کا اس قدر یقین ہے کہ ان کے دل کہتے ہیں کہ اگر ہم نے کہہ دیا کہ آپ کے مقابلے میں ہم سچے ہوں تو ہمیں موت آجائے تو یقیناً موت آجائے گی سو یہ اعلان کر دیا گیا کہ کبھی ایسی تمنا نہ کریں گے کہ یہ بدکار ہیں اور بہت بڑے ظالم بھی ہیں کہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے پہ تلے ہوئے ہیں اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے یہاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گناہ گار پر ایک انجانا سا خوف ایک خفیہ سی پریشانی جو مسلط رہتی ہے وہ وہی زندگی کے خاتمے کا کھٹکا اور موت کی ہیبت ہے اور نیک اور صالح انسانوں کے دلوں میں جمعیت اور سکون کی بنیاد بھی اخروی آرام کی توقع ہے یہ بات ایک طرح سے مباہلے سے مشابہت رکھتی ہے اور یہود یہ بھی نہ کہہ سکے کہ ہمیں موت آجائے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر گزرتے تو دنیا پہ کوئی یہودی نہ رہتا بلکہ اپنے ہی لعاب دہن سے گلے گھٹ کر مر جاتے اور کما قال فرمایا ولتجدنھم احرص الناس۔۔۔۔۔۔ واللہ بصیرٌ بما یعملون کہ آپ ان کو دوسرے لوگوں سے بھی زندگی پہ زیادہ حریص پائیں گے حتیٰ کہ مشرکین سے بھی جن کا آخرت پر

ایمان ہی نہیں یا کفار جو آخرت کو مانتے ہی نہیں ان کے نزدیک صرف یہی دنیا ہے ان کی حرص تو لازمی ہے مگر یہ جو ایمان کے مدعی اور آخرت کے قائل ہیں یہ حرص دنیا میں ان سے بھی بازی لے گئے ان میں کا ہر فرد چاہتا ہے کہ کاش ہزاروں برس جیتا ہی رہے تو پتہ چلا کہ اپنے آپ کو اخروی نعمتوں کا مستحق جاننے کا دعویٰ نرا دعویٰ ہی ہے اور جب یہ بات ہے تو یہ طول عمر اگر نصیب بھی ہو جائے تو یہ اللہ کے عذاب سے بچانے کا سبب تو نہیں بن سکتا بلکہ کفر کے ساتھ طویل عمر الٹا عذاب کو بڑھانے کا ذریعہ ہو گی کہ نجات کا مدار تو ایمان پر ہے اور یہ ان کے دعوے اور ان کے کرتوت اللہ خوب دیکھ رہا ہے یا ایسے ظالم ہیں کہ دل سے حق کو حق جانتے ہیں مگر مانتے نہیں یہاں یہ خیال نہ گزرے کہ جب جانتے ہیں تو نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے یعنی جانتا تو شیطٰن بھی ہے مگر مانتا نہیں ایمان کے لیے صرف جاننا کافی نہیں بلکہ ماننا ضروری اور ماننے کے لیے سمعنا وعصینا نہ ہو کہ زبانی مانتے اور عملاً جھٹلائے بلکہ ماننا اس کو کہتے ہیں جس پر عمل بھی ہو اکثر ائمہ نے جن میں امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں اعمال ہی کو ایمان کہا ہے مگر احناف کے نزدیک اقرار کے ساتھ دلی تصدیق شامل ہو تو کافر نہ ہو گا ترک اطاعت سے فاجر ہو گا کہ یہ قول اور تصدیق قلبی بھی تو ایک عمل ہی ہے اور یہ بہت بڑا عمل ہے مگر اس کی زینت اعمال ہی سے ہے جو بہت ضروری ہے تو گویا ہر قول اور ہر فعل کا مدار عملاً اس کے کرنے اور قلبی طور پر اس کی تصدیق پر ہے اگر دل ساتھ نہ ہو عمل محض ایک ڈھونگ رہ جاتا ہے۔

افسوس ہمارے زمانے کی مصیبت یہی ہے کہ دل مرتے جا رہے ہیں مگر لوگ ہیں کہ ان جاں بلب مریضوں کو غفلت اور عدم توجہی کا شکار کر رکھا ہے اللہ ہم سب کو ہدایت دے آمین!

رکوع ۱۲ :

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ
بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ
فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ج
وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَمَّا جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ق كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ○ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ج
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ
السِّحْرَ ق وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط
فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط وَمَا هُمْ
بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ قف ط وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○
وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ○ ع

ترجمہ :

آپ (ان سے) یہ کہئے کہ جو شخص جبریل سے عداوت رکھے سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے اس کی (خود) یہ حالت ہے کہ تصدیق کر

رہا ہے اپنے سے قبل والی (سماوی) کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو جو (کوئی شخص خدا تعالےٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا (ہو) اور پیغمبروں کا (ہو) اور جبریل کا (ہو) اور میکائیل کا (ہو) تو اللہ تعالےٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔ اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضح نازل کئے ہیں اور کوئی انکار نہیں کیا کرتا مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں کیا اور جب کبھی بھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اسکو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ ان میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو (میرے اس عہد کا) یقین ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس ایک پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی) ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو گویا اصلاً علم ہی نہیں اور انہوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے (عہد) سلطنت میں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا مگر (وہاں) شیاطین کفر کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔ اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ (نہ) کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان ہے سو تو کہیں کافر بن جا بیٹو (کہ اس میں پھنس جاوے) سو (بعضے) لوگ ان دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے (عمل کر کے) کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور یہ (ساحر) لوگ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے (تقدیری) حکم سے اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو (خود) ان کو ضرر رساں ہیں اور ان کو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ (باقی) نہیں اور بے شک بری ہے وہ چیز (یعنی سحر و کفر) جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش ان کو (اتنی) عقل ہوتی۔ اور اگر وہ لوگ (بجائے اس کے) ایمان اور تقویٰ

(اختیار) کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ بہتر تھا۔ کاش (اتنی) عقل ہوتی۔

اسرار و معارف :

جب علماء بنی اسرائیل عقل و نقل میں عاجز ہوئے تو صورت ایک طرح سے مباہلہ کی تھی جب وہاں بھی ناکام ہوئے تو اب سوائے تسلیم کے چارہ نہ تھا اور یہ راہ تو وہ اختیار کرنا نہ چاہتے تھے سو ایک اور عذر لنگ تراشا کہ جی نبی تو برحق ہیں اور ہم مان بھی ضرور لیتے مگر یہ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام مجھ پر وحی لاتے ہیں اور یہ وہ فرشتہ ہے جو بارہا ہم پہ بربادی لایا اور ہمارے آباؤ اجداد سے سختیاں کیں اگر کوئی اور فرشتہ مثلاً میکائیل ہی وحی لاتا تو ضرور ہم بھی تسلیم کرتے مگر جبرائیل کے ساتھ ہماری نہیں بنتی اس وجہ سے ہم نبوت محمدی کا اتباع نہیں کر سکتے یہ ساری بات انہوں نے جہلا کو بہلانے کے لیے گھڑی مگر اللہ کریم نے یہاں بھی ان کے جھوٹ کا پول کھول دیا اور فرمایا ان جبرائیل کے دشمنوں سے فرما دیجئے کہ تمہیں فرشتوں سے برادری کا جھگڑا ہے یا اس پیغام کو قبول کرنا ہے جو وہ اللہ کے حکم سے آپ کے قلب اطہر پہ لاتے ہیں یہاں باذن اللہ فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ کریم کا کلام ذاتی ہے اور فرشتہ تو صرف لانے پر مامور ہے اس کا مہبط آپ کا قلب اطہر ہے۔ یہاں یہ بات سمجھ لی جائے کہ انسان جس قدر علوم حاصل کرتا ہے ان کا خزانہ تو دماغ ہے پھر یہ نزول علم دل پر کیسا تو جان لینا چاہیے کہ علم کی اقسام دو ہیں مادی اور روحانی، علوم مادیہ یا مادی کمالات کو سیکھنا، محفوظ رکھنا اور ان کو عمل میں لانا یہ دماغ کا کام ہے جسم مادی ہے اس کی ضروریات مادی ہیں دماغ بھی ایک مادی جسم ہے جس کا کام جسم کی ضروریات کو جاننا اور ان کی تکمیل کی راہیں تلاش کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مادی کمالات کے لیے ایمان ضروری نہیں کافر بھی ڈاکٹر سائنسدان انجینئر وغیرہ بن سکتا ہے دوسرا علم روحانی ہے روح کا تعلق عالم امر سے ہے وہاں کے علوم جاننا دماغ کے بس کی بات نہیں بلکہ دل کا کام ہے وہ دل جو اس گوشت کے لوتھڑے میں اللہ نے رکھ دیا ہے جو حقیقتاً عالم امر ہی کا ایک لطیفہ ہے اللہ کی ذاتی عظمت کا شعور اس کی صفات کا ادراک آسمان سے بالا کی

باتیں فرشتے ارواح برزخ آخرت موت یا مابعد الموت حشر نشر ثواب و عذاب، جنت و دوزخ یہ سب وہ حقائق ہیں جن کو روحانی علوم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے جن کا مہبط دل ہے اگر دماغ میں صلاحیت ہوتی تو ساری کائنات میں سب سے افضل دماغ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے آپ کے دماغ کو خطاب فرمایا جاتا یا ان علوم کی تعلیم دی جاتی مگر نہیں یہاں مہبط وحی قلب اطہر ہے ہو اس علم سے مستفید ہونے کے لیے بھی روزن دل وا کرنا ہوگا تو فرمایا . فرشتہ اللہ کا ذاتی کلام لایا جو براہ راست قلب اطہر پہ نازل ہوا یہ بھی کلام کی عظمت کا اظہار ہے کہ دماغ کی رسائی ہی سے بالاتر ہے بلکہ خود دماغ کی اصلاح کرنے والا ہے نہ یہ کہ کسی کا دماغ اس کی اصلاح کرنے لگ جائے

اپنے سے پہلے اس کلام کی جو کسی بھی زمانے میں اللہ کی طرف سے نازل ہوا تصدیق کرتا ہے یہ تصدیق بھی دو قسم ہے ایک تو مضمون اخبار میں پہلے کی تصدیق کرتا ہے . مثلاً ذات و صفات باری حشر و نشر حساب کتاب یا جنت و دوزخ کے جو حقائق پہلی منزل من اللہ کتاب نے بیان کئے وہی یہ بیان کرتا ہے اور دوسری تصدیق حالاً ہے کہ ان سب کتابوں میں نبی آخر الزمان اور اللہ کی آخری کتاب کے آنے کی پیشگوئی موجود تھی سو اس نبی اور کلام نے آکر عملاً ان کی پیشگوئی سچی ثابت کر دی یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کتاب نازل نہ ہوگی اگر ایسا ہوتا تو قرآن صرف اپنے سے پہلے کی وحی کا مصدق ہی نہ ہوتا بلکہ بعد والے کلام کی پیشگی تصدیق فرماتا مگر ایسا نہیں پہلے کی بات کرتا ہے اپنے بعد کا امکان ہی نہیں رکھتا سو اس کے بعد کا کوئی شخص بھی اگر نزول وحی کا دعویٰ کرے گا تو کذاب ہوگا وھدیً اور راہ دکھاتا ہے یعنی بہترین رہنمائی کرتا ہے کہ جسقدر اصول حیات یا طریق زندگی لوگوں نے بنائے ہیں ان میں رکھ کر دیکھ لو سب سے بہترین طرز حیات وہی ہے جو یہ کلام سکھاتا ہے اور یہ واحد طرز حیات یا ہدایت ہے جو پیدائش سے لے کر آخرت تک رہنمائی فرماتا ہے ورنہ باقی سب طریق حیات کم از کم موت سے آگے تو خاموش ہیں وبشریٰ للمومنین اپنے ماننے والوں میں ایک ایسی روحانی خوشی اور خوشخبری تقسیم کرتا ہے . جو انہیں آخرت کی لذتوں سے آشنا کر دیتی ہے اور ایک

ایسا سکون عطا فرماتا ہے جس کی لذت کو دنیاوی آلام بھی کم نہیں کر سکتے ہے یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ یہ جملہ اس کلام کے اعجاز ہیں اور تمہیں اس کلام کو ماننا تھا۔ مگر کیسے مانتے کہ جب تمہارا اصل مرض تو کفر ہے اور اللہ سے دشمنی، تو فرمایا جو اللہ کا دشمن ہو اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور جبرائیل و میکائیل کا اللہ تو خود دشمن ہے کافروں کا یعنی یہ جبرائیل سے دشمنی میکائیل سے دوستی نہیں بن سکتی بلکہ اس کا اصل سبب ہی اللہ سے دشمنی ہے تو جب اللہ ہی سے دشمنی ہے تو پھر سب فرشتوں تمام انبیاء سے دشمنی کا سبب ہے اسی طرح جو بھی مقبولان بارگاہ الٰہی کا یا ان میں سے بعض کا دشمن ہو گا تو حقیقتاً وہ سب وہ کا دشمن ہو گا بلکہ خود اللہ کا دشمن ہو گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ میرے دو وزیر آسمانوں میں اور دو زمین میں ہیں آسمانوں میں جبرائیل و میکائیل اور زمین پر ابوبکرؓ اور عمرؓ الی آخر الحدیث تو گویا شیخینؓ کا یا ان میں سے کسی ایک کا دشمن بھی اسی وعید کا مستحق ہو گا۔ اور سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ فان اللہ عدوٌ للکٰفرین کہ خدا خود کفار کا بوجہ ان کے کفر کے دشمن ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ غضب الٰہی کا شکار ہو کر اللہ کے مقبول بندوں یا اس کے رسولوں اور فرشتوں کی عداوت میں مبتلا ہوں گے چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ نیکاں کند اور اسی طرح بالعکس کہ جب کسی سے راضی ہوتا ہے تو اسے اپنے مقبول بندوں کی محبت عطا فرماتا ہے اور ان کی مجلس میں پہنچاتا ہے۔ یعنی نیک ہمنشیں عطا فرماتا ہے۔

پھر واضح اور بین دلیلیں اور روشن نشانیاں نازل فرمائی ہیں، کلام اللہ خود بہت بڑا معجزہ ہے علاوہ ازیں معجزات نبوی ظاہر و باہر اور بے شمار ہیں ان سے انکار کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں کر رہے بلکہ ہر مصیبت ان کی بداعمالیوں کی لائی ہوئی ہے کہ بدکاری نے دل کو اقرار کی صلاحیت سے محروم کر دیا ہے

اور یہ کوئی آج کی بات نہیں بلکہ یہ تو نسلاً بعد نسلٍ بدعہدی کرتے چلے آ رہے ہیں جب بھی اللہ نے کوئی وعدہ لیا ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے ضرور عہد شکنی کی بلکہ اکثر نے کی اور

عملاً کم ہی لوگ ہوئے جو حق پر رہے وہی حال آج ہے کہ آپؐ پر ایمان لانے کا عہد بھی تورات میں موجود مگر ایمان لانے والے کم اور عہد شکنی کرنے والے زیادہ ہیں۔ ولما جاءھم رسول من عند اللہ ...... کانھم لا یعلمون لا جب ان کے پاس اللہ کا عظیم الشان رسول تشریف لایا جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا بھی ہے کہ اگر اس کا انکار کریں تو اس پیشگوئی کا کیا کریں گے جو ان کی کتاب میں موجود ہے اور جس کتاب کی حقانیت کے مدعی بھی ہیں اور خوب جانتے اور سمجھتے ہیں اس ساری بات کو آپؐ کی ذات کو آپ کے اوصاف وکمالات کو حتیٰ کہ حلیہ مبارک تک سب جانتے ہیں مگر دیکھو کس طرح کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال رہے ہیں گویا کچھ جانتے ہی نہیں اور بجائے اتباع نبوت کرنے کے ان علوم کے اکتساب میں لگے ہوئے ہیں جو عہد حضرت سلیمان علیہ السلام میں شیطین پڑھا کرتے تھے واتبعوا ما تتلوا الشیطین علی ملک سلیمٰن ..... لو کانوا یعلمون ۱۰۲،۱۰۳

ہر اصل کے ساتھ نقل کا وجود ہے یہاں تک کہ اللہ کے مقابلے میں خدائی کے جھوٹے دعویدار موجود انبیاء کے مقابلے میں کذاب اور اولیا کے مقابلے میں نقال ہمیشہ رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابرکت حکومت نے جو جن و انس ہی کو نہیں بلکہ درند و پرند بلکہ ہوا تک کو محیط تھی جذبۂ نقالی کو ہوا دی اور کئی ایسے شوقین پیدا ہوئے جن کو جنات کے تسخیر کرنے کا خبط سمایا شیاطین نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور بعض کفریہ کلمات لوگوں کو تعلیم کئے جو کوئی ان الفاظ ...... کو دہراتا امکانی حد تک شیاطین اس کی مدد کرتے تاکہ یہ کفر سازی قائم رہے یہی سحر کی اصل تھی جو آج تک مروج ہے اس کی اصل میں دو طرح کا کفر اور زندقہ پایا جاتا ہے یا تو الفاظ کفریہ ہوتے ہیں اور اگر الفاظ قرآنی ہوں گے تو لکھنے کا طریقہ غلط مثلاً دم مسفوح سے لکھے جائیں گے ونیز ساحر ہمیشہ گندے اور ناپاک رہنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ شیاطین اسی حال کو پسند کرتے ہیں۔ جس طرح سحر کرنے کے دو طریقے ہیں اسی طرح اس کی تاثیرات بھی دو قسم کی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی کی نظر یا قوت متخیلہ متاثر ہو کر اس کے سامنے مختلف صورتیں متشکل کر دیتی ہے

واقعتاً ایسا ہوتا نہیں۔ جیسے فرعونی ساحروں کے بارے ارشاد ہے سحروا اعین الناس
اور یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ کہ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا یا ان کے سحر
کے اثر سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال آتا کہ رسیوں کے سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں۔
گویا واقعی کچھ نہ تھا رسیاں ویسی کی ویسی ہی تھیں مگر قوت متخیلہ متاثر ہو کر سانپ سمجھنے لگ
گئی اور دوسری تاثیر یہ کہ جادو کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت ہی بدل جائے۔ جیسے
انسان کو پتھر یا کسی جانور کے قالب میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس میں بات بہت طویل
ہے کہ ایسا ممکن ہے یا نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے۔ غرض یہ کہ ان لوگوں
یعنی بنی اسرائیل نے کتب سماوی کو چھوڑ کر شیطانی تعلیمات کو اپنا یا یہاں تک کہ
اللہ نے بابل کے مقام پر دو فرشتے نازل فرمائے کہ جو جادو اور کلام اللہ میں فرق بیان
کریں اور جادو کی خرابی سے لوگوں کو مطلع کریں۔ اجمالاً تو جادو کا غلط ہونا تعلیمات تر
انبیاء نے واضح کر دیا تھا مگر جادو کی قسمیں اور باریکیاں اور اس کے مروج الفاظ
سے بحث انبیاء کا منصب ہی نہ تھا اور فرشتے جو کارخانہ تکوین میں ہر کام بجا لاتے
ہیں اللہ نے ان کو مقرر فرمایا کہ انبیا صرف تشریعی امور بجا لانے اور مظہر ہدایت ہوتے
ہیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو فرمایا کہ جوا حرام ہے اس کی وجہ بھی ارشاد
ہوئی کہ نقصان یقینی اور نفع موہوم ہو تو یہ جوا ہو گا مگر کس طرح تاش کے پتوں پہ یا
کسی اور چیز سے کھیلا جاتا ہے ان جزیات سے بحث کرنا گویا جوئے کے مختلف طریقے
بیان کرنا ہے جن کو سن کر کوئی بد باطن جوا شروع کر سکتا ہے کہ طریقہ تو اس نے سن
ہی لیا سو یہ بات نبی کی شان کے لائق نہیں اسی طرح جادو کی جزیات بیان کرنا بھی کسی
نبی کو زیب نہیں دیتا تھا سو یہ کام اللہ نے فرشتوں سے لیا اور ہاروت و ماروت
دو فرشتے نازل فرمائے جن کے فرشتہ ہونے پر دلائل قائم کر دیئے گئے جیسے نبی کی نبوت
کے اثبات کے لیے معجزات اور انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا کہ یہ علم نہ سلیمان
علیہ السلام کا ہے اور نہ انبیاء کو زیب دیتا ہے یہ سب شیطانی جادو ہیں اور ان سے بچو نیز
جادو کی جزیات بھی بیان کیں کہ کیا کرنے سے کیسا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جو اشتباہ اور التباس

معجزات اور شعبدہ میں پیدا ہو چلا تھا اسے بھی ظاہر فرمایا کہ جادو اور سحر کسی جن یا شیاطین یا اسی طرح کی مخلوق کا عمل ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کا سبب عام نظر سے اوجھل ہوتا ہے مگر معجزہ اسباب سے بالاتر ہوتا ہے اور براہ راست فعل باری، یہ بھی ایک لطیف بات ہے اور عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر۔ اس سے بھی آسان فرق ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ دین کی تائید نبوت کے اثبات اور احکام الٰہی کے قیام کے لیے ہوتا ہے برخلاف اس کے شعبدہ باز یا جادوگر ہمیشہ اپنی عظمت منوانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اسی طرح کرامت بھی وہی ہوگی جو احیائے دین کے لیے ظاہر ہو اور ایسی عجیب بات کا اظہار جو محض کسی کی اپنی ذات کا لوہا منوانے کے لیے ہو شعبدہ ہوگا نیز ایک صاف پاک طیب وطاہر قول وفعل سے متعلق ہوگا جب کہ دوسرا قول وفعل کی قباحت پر استوار ہوگا رحمت باری دیکھیے کہ فرشتوں کو تعلیم پر مقرر فرمایا اور جب تک چاہا زمین پہ رکھا مگر ان کی کج فہمی اور بدمزاجی ملاحظہ ہو کہ باوجود اس کے کہ وہ فرشتے جزئیات سحر بیان کرنے سے پیشتر تاکید کرتے اور ہر فرد کو آگاہ کرتے جو بھی ان کے پاس جاتا کہ میاں یہ جادو سراسر کفر ہے اور ہمارا وجود بھی تمہارے لیے ایک امتحان کی حیثیت رکھتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جادو کی باریکیوں سے واقف ہو کر جادو ہی میں مبتلا ہو جاؤ اور اس طرح کافر بن جاؤ یعنی فلا تکفر مگر یہ ایسی باتیں سیکھتے جن کے ذریعہ سے مرد اور اس کی بیوی میں تفریق ہو سکے یعنی پرائی عورتوں کو پھانستے پھرتے اور وہی کاروبار یہود اب تک یعنی آپ کے عہد مبارک تک کرتے چلے آ رہے ہیں افسوس کہ آج یہ سارا کام یہود سے بڑھ کر مسلمانوں میں بھی پھیل چکا ہے اور اکثریت کے ایمانوں کو ضائع کرتا چلا آ رہا ہے مگر ایک بات یاد رہے وما ہم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ کہ جادوگر جو چاہے کرے یہ ممکن نہیں اور نہ اس خوف میں مبتلا ہونے کی ضرورت یہ تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے مگر ہاں جب ہی اللہ ہی اجازت دے یعنی جب کسی سے حفاظت الٰہی ہی اٹھ جائے تو اسے تو یہ گیند بنا لیتے ہیں لیکن اگر کسی کا ایمان وعقیدہ درست ہو اور اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو تو اس کو حفاظت الٰہی حاصل ہوتی ہے وہاں کچھ بگاڑ نہیں سکتے جیسے عاصم بن لبید یہودی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تو اللہ نے

ساری حرکت سے حضور کو مطلع فرما دیا اور کنگھی بال اور کھجور وغیرہ نکال لی گئی یا وہ کنواں جس میں یہ پھینکی گئی تھیں صاف کر دیا گیا. تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کی تاثیر ہوتی ہے اور انبیاء بھی متاثر ہو سکتے ہیں جیسے بھوک یا پیاس وغیرہ امور طبعی سے متاثر ہوتے ہیں مگر ان کا بگاڑ کچھ نہیں سکتا الٹا منہ کی کھاتا ہے اسی طرح عاملوں کی ساری عمر کا عمل کامل کی ایک نگاہ سے زائل ہو جاتا ہے. مگر یہاں جو بدنصیب خدا کو چھوڑ بیٹھتے ہیں ان پر حکومت جادوگروں ہی کی ہوتی ہے. جیسے ہندو کبھی پنڈتوں کے چکر سے نہیں نکل پاتے یا بدعتی اور گمراہ فرقے کہ ہمیشہ لوٹنے ٹوٹکے والوں کے اسیر رہتے ہیں یہ بدعت

ایسے علوم کی تحصیل میں عمریں کھپا دیتے ہیں جو اگرچہ وقتی طور پر عارضی فوائد دنیا یا جاہ کا سبب تو ہیں مگر نتیجۃً ہمیشہ نقصان دہ اور ضرر رساں ہیں کہ ابدی ذلت میں مبتلا کرتے ہیں اور جن سے کسی بھی طرح کا حقیقی فائدہ نہیں ولقد علموا یہ بات بھی خوب جانتے ہیں کہ جس کسی نے کتاب اللہ کی بجائے عمر تحصیل سحر کی نذر کر دی اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ ہمیشہ کی ذلت میں گرفتار ہوا اور کسقدر عظیم مصیبت ہے جو یہ اپنی جانوں کے لیے مول لے رہے ہیں یعنی محنت و مشقت اور طرح طرح کی حیلہ کشیاں کر کے حاصل کیا ہو گا جہنم کتنا گھاٹے کا سودا ہے کتنا ہی اچھا ہوتا کہ یہ اس بات کو سمجھ پاتے اور لوٹنے ٹوٹکے اور جادو کی جگہ آپ کی مبارک تعلیمات کو اپنا کر ولو انھم امنوا یعنی آپ کی تعلیمات کو قبول کرتے واتقوا اور ان پر عمل پیرا ہوتے نیکی اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کریم کے ہاں بہت بہتر بدلہ اور اجر پاتے کاش ان میں اس قدر عقل ہوتی اور اتنا علم رکھتے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے تو یہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خلاف سنت زندگی گزارنے والا شخص بے علم اور بے وقوف بھی ہے خواہ فی زمانہ اسے دانشور ہی کا خطاب کیوں نہ مل رہا ہے ساری دانش ساری بینش کا خلاصہ اتباع نبوی ہے صلی اللہ علیہ وسلم.

رکوع ۱۳:

يا ايها الذين امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا
واسمعوا ط وللكفرين عذاب اليم ○ ما يود الذين كفروا
من اهل الكتب ولا المشركين ان ينزل عليكم من خير من
ربكم ط والله يختص برحمته من يشاء ط والله ذو الفضل
العظيم ○ ما ننسخ من اية او ننسها نات بخير منها او مثلها
الم تعلم ان الله على كل شيء قدير ○ الم تعلم ان الله له
ملك السموت والارض ط وما لكم من دون الله من ولي ولا
نصير ○ ام تريدون ان تسئلوا رسولكم كما سئل موسى
من قبل ط ومن يتبدل الكفر بالايمان فقد ضل سواء السبيل
ود كثير من اهل الكتب لو يردونكم من بعد ايمانكم كفارا ج
حسدا من عند انفسهم من بعد ما تبين لهم الحق ج
فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره ط ان الله على كل شيء قدير ○
واقيموا الصلوة واتوا الزكوة ط وما تقدموا لانفسكم من خير
تجدوه عند الله ط ان الله بما تعملون بصير ○ وقالوا لن
يدخل الجنة الا من كان هودا او نصرى ط تلك امانيهم
قل هاتوا برهانكم ان كنتم صدقين ○ بلى ق من اسلم
وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم
ولا هم يحزنون ○ ع

ترجمہ:

اے ایمان والو (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور انظرنا کہہ دیا کرو اور (اس کو اچھی طرح سن لیجیو اور (ان) کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہو (ہی) گی۔ ذرا بھی پسند نہیں کافر لوگ (خواہ) ان اہل کتاب سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو کسی طرح کی بہتری (بھی) نصیب ہو تمہارے پروردگار کی طرف سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (و عنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں۔ ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت (ہی) کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں (اے معترض) کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص ان ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور (یہ بھی سمجھ رکھو کہ) تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے (بیجا بیجا) درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر (کی) باتیں کرے بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں ہی سے (جوش مارتا) ہے حق واضح ہوئے پیچھے خیر (اب تو) معاف کرو اور درگذر کرو جب تک حق تعالیٰ (اس معاملہ کے متعلق) اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اور (سردست صرف) نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور زکوٰۃ دیتے جاؤ اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے حق تعالیٰ کے پاس (پہنچ کر) اس کو پا لوگے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کیے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں اور یہود اور نصاریٰ (یوں) کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاوے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا

ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں یہ (خالی) دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ آپ کہیے کہ (اچھا) اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو (ضرور دوسرے لوگ جاویں گے) جو کوئی شخص بھی اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے اس کے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور نہ ایسے لوگوں پر (قیامت میں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ اس روز مغموم ہونے والے ہیں۔

اسرار و معارف

کہ کیا ان کے ایمان لانے کی کیا امید ایسے بدباطن ہیں عمداً بارگاہِ نبوی میں گستاخی کرتے اور ایسے پوشیدہ طریقے سے کرتے ہیں کہ گستاخی بھی کرلیں اور پکڑے بھی نہ جائیں۔ تو یہ لفظ محاورہ عرب کے لحاظ سے اگرچہ ادب کا تھا کہ ارشاد فرماتے ہوئے اگر کوئی لفظ کسی شخص نے نہ سنا تو عرض کرتا راعنا یعنی ہماری رعایت فرمائیے یا مراد کہ ہم پر شفقت فرمائیے مگر یہود بے ع کی زیر کو کھینچ کر راعی پڑھتے جس سے مراد گڈریا یا چرواہا بنتا ہے لُغۃً یا طنزاً مقصود ہوتا کہ ہم تو فاضل ہیں اور آپ معاذ اللہ محض ایک چرواہے ہیں لفظ مومنین بھی عرض کرتے مگر ان کی مراد ہرگز یہ نہ ہوتی وہ تو محاورۃً کرتے تھے لیکن چونکہ یہود نے یہ لفظ توہین کے لیے چن لیا تھا تو اللہ نے اسے صحابہ کرام کی لغت ہی سے خارج فرما دیا کہ کبھی راعنا مت کہو۔ غالباً اسی وجہ سے سید انور شاہ کشمیری رحؒ نے اکفار الملحدین میں لکھا ہے کہ کوئی جملہ شانِ رسالت میں ایسا کہنا جس سے قائل کی مراد توہین نہ ہو مگر سننے والا سمجھے کہ اس نے توہین کی ہے تو قائل کافر ہو جائے گا سو اس سے صحابہ کرام کو اللہ نے بچایا اور فرمایا یہ لفظ ہی چھوڑ دو اور انظرنا کہا کرو جو عرفاً اسی کے ہم معنی ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس کی بھی نوبت ہی کیوں آئے واسمعوا غور سے سنا کرو، کہ معجزاتِ نبوی میں یہ بھی تھا کہ آپ کی آواز جہاں تک مجمع ہوتا برابر پہنچتی بغیر اس کے کہ حضور کوئی کوشش فرماتے یا زیادہ اونچا بولتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معتدل اور طبعی آواز جیسے پہلی صف والا آدمی سنتا ایسے ہی دور بیٹھنے والے تک پہنچتی تھی اگر بات رہ جاتی تو نقص سننے والے کی طرف سے ہوتا سو یہ ہو ہی کیوں پوری توجہ سے

سفورہے کسفار جو ایسی خباثتیں کرتے ہیں ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔ جو آخرت کا تو ہے ہی یقینی مگر دنیا میں بھی یہود کی حالت بہت بُری ہوئی جس کا شاہد چشم عالم نے کیا۔ مایوَدُّ الذین کفروا ------ واللہ ذوالفضل العظیم ۱۰۵ فرمایا اصل بات یہ ہے کہ کفار خواہ یہود ونصاریٰ اہل کتاب میں سے ہوں خواہ مشرکین میں سے یہ اپنے دل سے اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر اللہ کی طرف سے انعامات کا نزول ہو۔ تو چونکہ یہ آپ کی نبوت کی صداقت سے تو آگاہ ہیں ہی سو یہ بات بھی خدا خالق باقی سب مخلوق ہے۔ ساری مخلوق میں جس قدر حسن وکمال اور علوم ودرجات تقسیم ہوئے سب سے زیادہ اور سب کا جامع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس میں بحث کی گنجائش کہاں ہے اللہ سب کو سمجھ عطا فرمائے آمین۔ اس سو یہ تو آپ حضرات کو رحمت باری سے محروم کرنے کی تدبیر کرتے مگر اللہ بھی جسے چاہے اپنی رحمت کے لیے مختص فرما لیتا ہے "یعنی صحابہ کرام کو اللہ نے اپنی رحمت کے لیے چن لیا تھا" کہ اوّل مخاطب کلام باری کے وہی ہیں اور سب سے پہلے انہی کو آداب بارگاہ رسالت سے مطلع فرمایا جارہا ہے تو اس طرح یہ آیت عدل صحابہ پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لیے چن لے جیسے آپ حضرات کو چن لیا ہے اور یہود و مشرکین کے فریب پر مطلع فرما دیا ہے کہ وہ بہت بڑے فضل والا ہے

اسی طرح یہ قبلہ کی تبدیلی پہ معترض ہیں کہ جی مذہب حنفیہ کیا جسے کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کرکے عبادت کرتے ہوئے پاتے ہیں، اور پھر اچانک سمت بدل کر کعبہ کو قبلہ قرار دیتا ہے اب پہلے والا ٹھیک تھا یا موجودہ فرمایا یہ سب مسلمانوں کو بھٹکانے کی چالیں ہیں۔ ورنہ اعتراض تو جب تھا کہ کوئی خبر یا اطلاع غلط ثابت ہوتی اخبار میں تو نسخ ہے نہیں اب رہے احکام تو بندہ اللہ کی اطاعت کا پابند ہے خدا بندے کی صلاح یا مشورے کا پابند نہیں اللہ کی مرضی کسی شریعت میں دو نمازیں تھیں دوسری میں پانچ فرض کردیں کسی کا قبلہ بیت المقدس اور کسی کا کعبہ تھا مسلمانوں کو دونوں کی سعادت بخشی سو جو کرتی

جانتے ہیں کہ اگر کوئی نا سمجھی سے بھی توہین رسالت کا مرتکب ہوا تو انعامات باری تو کیا خود ایمان بھی نہ بچا پائے گا۔ اس لیے اس طرح کے الفاظ کے پھیر میں تمہیں الجھانا چاہتے ہیں یہ معاملہ اسقدر نازک اور آج کے لوگ اسقدر دلیر ہیں کہ ہر بات پر موضوع بحث ہی ذات نبوی صلعم کو بناتے ہیں علم غیب کا مسئلہ یا حاضر ناظر کا سماع موتی کی بات ہو یا برزخ کے عذاب وثواب کی بحث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے کی جائے گی جہاں ذرا بے ادبی ہوئی اور ایمان چلا گیا کیا یہ کافی نہیں کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر حکم منسوخ ہوتا ہے یا ذہنوں سے بھلا دیا جاتا ہے تو اس کی جگہ اس جیسا یا اس سے بھی بہتر برکات کا حامل حکم بھیج دیا جاتا ہے یہ دونوں طریقے نسخ کے ہیں کہ یا تو حکم دے دیا جاتا کہ فلاں آیت پر عمل نہ ہوگا اور تلاوت باقی رکھی جاتی یا تلاوت اور حکم دونوں منسوخ فرما دیئے جاتے یا تلاوت منسوخ حکم باقی جیسے آیہ رجم اور یا حکم دینے کی بجائے وہ آیت فراموش کرا دی جاتی اور صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد نہ رہتی سوان میں سے کوئی صورت بھی ہو اس میں بندوں کی بھلائی ہی ہوتی ہے اور زیادہ برکات کا نزول اور اے مخاطب کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں اس کی اطاعت کی جائے گی نہ یہ کہ انسان اس کے لیے قاعدے مقرر کرے اے مخاطب کیا تو نہیں سمجھتا کہ آسمانوں اور زمینوں کی حقیقی سلطنت اسی کے لیے ہے اور وہ اکیلا حاکم اور ساری کائنات محکوم ہے خوب سن لو ایک وقت آ رہا ہے جب حقائق بے نقاب ہوں گے تو تم اس کے مقابلے میں کسی کو نہ اپنا دوست پاؤ گے اور نہ مددگار

اور یہ جو کہتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السلام

پر تو کتاب ایک ہی بار نازل ہوئی تھی تم بھی اپنے نبی سے یہ سوال کرو تو کیا انہوں نے موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تو زمان لی تھی یا طرح طرح کے سوال کر کے عذاب الٰہی کو دعوت دی تھی اب تمہیں ترغیب دے رہے ہیں تو کیا تم موسےٰ علیہ السلام کی طرح اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبث سوالوں سے پریشان کرنا چاہتے ہو اگر ایسا ہو تو یہ ایمان نہ ہوگا بلکہ یہ راہ تو ایمان سے ہٹ کر کفر اختیار کرنے کی ہے اور جس

کسی نے ایمان چھوڑ کر کفر اپنایا وہ راہ راست سے بھٹک گیا وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ ...... بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۔ یہ ساری کوشش ان اہل کتاب کی اسی وجہ سے ہے کہ یہ تم سے حسد کرتے ہیں جلتے ہیں تم پر نزول رحمت کو برداشت نہیں کر پاتے حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ حق وہی ہے جس پر تم عمل پیرا ہو تو یہ حیلے تمہیں راہ حق سے ہٹانے کے لیے کر رہے ہیں جیسے آج بھی یہود کا رائج کردہ سودی نظام کہ سود کھانے والے کا ایمان نہ بچ سکے گا یا مغرب سے نصاریٰ کے ملک سے آنے والی اشیاء جن میں اکثر خنزیر کی آمیزش کر دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے منہ میں جائے گا تو ان کے ایمان ضرور خراب ہوں گے مگر افسوس کہ مسلمان بچوں کے دودھ سے لے کر میت کی کفن تک ولیں سے منگانا پسند کرتا ہے سو یہ سب حیلے تمہیں بھٹکانے کے لیے ہیں جن سے کمال رحمت فرماتے ہوئے اللہ نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے سو تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے یا خدا جہاد کا حکم دے دے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ان کا افرادی قوت اور دولت و اسلحہ کا گھمنڈ خاک میں ملا دے اور یہی ہوا کہ جب اللہ کی اجازت ملی تو یہود کا حشر عبرت کا سبق بن گیا اور یا پھر موت اور قیام قیامت ان کی ذلت کو عام کر دے کہ اللہ تو ہر بات پہ قادر ہے اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو یعنی فضول بحثوں میں الجھنے کی بجائے عبادات الٰہی پہ کمر بستہ ہو جاؤ اسی لیے عام مناظرہ ممنوع ہے ہاں اگر کوئی شخص تحقیق علم کی بنا پر سوال کرے تو درست یا پھر ایسے شخص سے مناظرہ کرنا جو لوگوں کے عقائد خراب کر رہا ہو اس آدمی کے لیے جائز ہے جو اس کو جواب دے کر لوگوں کے دین کی حفاظت کا سبب بنے ورنہ یہ کام محض شغلاً کرنے کا نہیں جتنا وقت یہاں برباد کرو گے۔ اس کو اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت پر لگاؤ کہ ہر نیکی کو تم کل اللہ کے ہاں اپنے لیے محفوظ پاؤ گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ذاتی طور پر تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ سو کام کرتے وقت یہ دھیان رہے کہ اللہ کے سامنے کر رہا ہوں وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ ...... وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۱۱۱/۱۲ اور یہ تو بھی کہتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ کے علاوہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا گویا انہوں نے جنت کے داخلے کو قومیت پر منحصر کر دیا ہے کہ بس اہل کتاب کی فہرست میں یا یہود و نصاریٰ کی مردم شماری میں آ گئے تو

گویا جنت کے وارث قرار پائے کیا مجال جو دوسرا وہاں دم مار سکے یہی حال آج کے مسلمان کا ہے کہ نام دین محمد یا عبد اللہ خان رکھ لو اور مسلمانوں کی مردم شماری میں آجاؤ ڈیا قومی مسلمان بن جاؤ جنت کے مالک ہو گئے خواہ عقائد و اعمال کچھ بھی پلے نہ ہو مگر یہ بات سوائے ایک آرزو کے کچھ وزن نہیں رکھتی ذرا ان سے کہیئے کہ اس بات پہ کوئی سند تو لاؤ اور اپنی صداقت کی کوئی دلیل تو پیش کرو جو یہ ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ بات اس طرح ہے کہ جنت قومیت یا نسل پر موقوف نہیں بلکہ جو کوئی بھی ہو اگر وہ سر تسلیم خم کر دے یعنی عقائد صحیحہ کو تسلیم کرے وہ محسن اور صدق دل سے ان پر عمل پیرا ہو احسان کی تعبیر احادیث میں یوں ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے یعنی ایسا اطمینان حاصل ہو اور دل کا ایک ایسا ربط حاصل ہو جائے یا کم از کم اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے یہ کم تر درجہ ہے اس سے کم کی گنجائش نہیں اسی کو اصطلاح صوفیہ میں نسبت کہا گیا ہے سو جو کوئی عقائد و اعمال میں صمیم قلب سے کوشاں ہو اس کے لیے اللہ کے ہاں انعامات برکات ہیں اور وہ شخص نہ آئندہ سے خوف زدہ ہو گا اور نہ گذشتہ پہ پشیمان ..... کہ اس نے راہ عمل ایسی اپنائی جو ہر طرح محفوظ ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اس کا دل بھی اس کے ساتھ ہو محض رسمی کارروائی نہ ہو کہ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں اور نہ صرف دعوے لئے قومیت ہو جو کوئی وزن نہیں رکھتا اور یہی بنیادی ضرورت ہے جو دل کو ذاکر کرنے اور قلبی ذکر پہ مجبور کرتی ہے کہ دل جب تک خود زندہ نہ ہو خود استعداد قبول نہ رکھتا ہو کب اعمال میں ساتھ دے گا اور یہی فیض صحبت ہے کہ علم نبوت نے عقائد و اعمال ارشاد فرمائے اور صحبت نبوی نے دلوں کو گرمایا اور درجہ صحابیت پر فائز کر دیا آج بھی اگر کوئی صاحب دل میسر آجائے تو انسان کی دنیا بدل جاتی ہے ورنہ محض رسمی وعظ اور ضابطے کی کارروائی تو عام ہے جس کا اثر وقتی و عارضی ہوتا ہے مجلس ختم اثر ختم عملی زندگی کو متاثر نہیں کر پاتا پھر یہاں ایک مصیبت اور ہے کہ لوگ دو حصوں میں بٹ گئے ہیں ایک وہ حضرات جنہوں نے تعلیم تعلم اور عبادات کو تو اپنایا مگر دل کی طرف توجہ نہ فرمائی اور اصلاح باطن سے صرف نظر کیا جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ

زبان قرآن وحدیث بیان کر رہی بدن رکوع وسجود میں لگا ہے مگر دل دنیا میں اٹکا ہے جب ذرا سا لالچ یا خوف سامنے آیا فوراً رائے بدل لی اور مداہنت کی راہ اپنانا پڑی دوسرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے یہ سمجھا کر ہمارے دل میں درد موجود ہے ہم محبت الٰہی سے سرشار ہیں اب اس کا فائدہ انہوں نے یہ اٹھایا کہ اعمال اپنی پسند کے شروع کر دیے اور ان خرافات میں جا پھنسے جو خلاف سنت اور محض رسومات تھیں انہیں کو دین سمجھ لیا تو یہ دونوں باتیں درست نہ ہو لیں بلکہ چاہئیے یہ تھا کہ متن اسلام یعنی عقائد و اعمال اور طاعت و فرمانبرداری کے طریقے وہی اپناتا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ذریعے تعلیم فرمائے اور اس کے ساتھ اس فیض کو حاصل کرتا جو محض صحبت سے حاصل ہوتا ہے کہ تعلیم اور تزکیہ تعلیم ارشادات رسولؐ سے تزکیہ صحبت رسول سے جس نے صحابہ کو صحابیت بخشی وہ تعلیم رسولؐ نہ تھی کر وہ تو بحمد اللہ ہم تک بھی پہنچی اور ہمیں بھی اس کے طفیل دین نصیب ہوا وہ تو صحبت نبویؐ تھی جس نے انہیں وہ "احسان" بخش دل کی زندگی عطا کی درجہ صحابیت عطا فرمایا تو اس کے لیے اللہ کے ہاں بہت اعلیٰ انعامات ہیں اور وہ بے خوف و خطر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ محض دعوٰے اسلام ہی کو کافی سمجھ لیا جائے اور پھر اس پر طرہ یہ کہ محض اسی دعوٰے کی بنیاد پر یہ امید بھی ہے کہ ہمیں دنیا میں بھی کوئی دکھ نہ ہو اگر پریشانی آتی ہے تو اس کا سبب اسلام کو جانتے ہیں حالانکہ مسلمانوں کی مصیبت کا اصل سبب مسلمان ہوتے ہوئے ترک اسلام ہے کہ عملاً اسلام سے دور چلے گئے اور سارا کام نرے دعوے سے لینا چاہا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے مادی وسائل اور افرادی قوت کی کمی کے باوجود بڑی طاقتوں کو اللہ کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیا مگر اس وقت وہ حقیقی مسلمان تھے۔ نرا دعوٰی نہ تھا جب عمل گیا صرف دعوٰی رہا تو تائید باری نہ رہی اب بات صرف اسباب پر رہ گئی اگر اسباب میں کافر اس سے بڑھ کر ہے تو یقیناً وہ اسے تکلیف دے گا۔ یہی حال تجارت یا مال و دولت دنیوی کا ہے کہ کافر نے اس طرف بھی توجہ دی اور

وہ آگے نکل گئے اگر ہماری طرح محض کسی عقیدے کا نام لے کر بیٹھ جاتے تو وہی ہوتا جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے مسلمان اگر محنت کرے اور اسلامی اصولوں کے مطابق بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ناکام ہو مگر یہاں تو مصیبت یہ ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر یورپ کی اقتدا میں نکلے تو محنت کرنا ان سے بھی نہ سیکھا بلکہ صرف بے حیائی آخرت سے غفلت اور کفر درآمد کیا الغرض محض نام یا قومیت کسی کام کے نہیں جب تک خلوص قلب اور عمل صالح ساتھ نہ ہوں۔

رکوع ۱۴ :

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى
لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ
اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ
اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا
فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ
قٰنِتُوْنَ ○ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ
اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ اِنَّآ
اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ
قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ
الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ع

ترجمہ:

اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ (کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم) نہیں اور (اسی طرح)۔
نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر (قائم) اور اسی طرح) نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد
پر نہیں حالانکہ یہ سب (لوگ آسمانی) کتابیں (بھی) پڑھتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ (بھی) جو کہ
محض بے علم ہیں ان کا سا قول کہنے لگے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان (عملی) فیصلہ کر دیں
گے قیامت کے روز ان تمام (مقدمات) میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔ اور اس
شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر (اور عبادت) کئے
جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران (و معطل) ہونے (کے بارہ) میں کوشش کرے
ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا (بلکہ جب جاتے
ہیبت اور ادب سے جاتے) ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی (نصیب) ہوگی اور ان کو
آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔ اور اللہ کی مملوک ہیں (سب سمتیں) مشرق بھی اور مغرب
بھی۔ کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالیٰ کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمام
جہات کو) محیط ہیں کامل العلم ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ
(کیا مہمل بات ہے) بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں
(موجودات) ہیں (اور) سب ان کے محکوم (بھی) ہیں (حق تعالیٰ) موجد ہیں آسمانوں
اور زمین کے۔ اور جب کسی کام کا پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کام کی نسبت (اتنا) فرما دیتے
ہیں کہ ہو جا بس وہ (اسی طرح) ہو جاتا ہے۔ اور بعضے جاہل یوں کہتے ہیں کہ (خود) ہم سے
کیوں نہیں کلام فرماتے اللہ تعالیٰ یا ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجاوے۔ اسی طرح
وہ (جاہل) لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو کر گزرے ہیں ان ہی کا سا (جاہلانہ)
قول ان سب کے قلوب (کج فہمی میں) باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ہم نے تو بہت
سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں (مگر وہ) ان لوگوں کے لیئے (نافع) ہیں جو یقین
(حاصل کرنا) چاہتے ہیں۔ ہم نے آپ کو ایک سچا دین دے کر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے
رہیئے اور ڈراتے رہیئے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی۔ اور

بھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ جب تک کہ آپ (خدانخواستہ) ان کے مذہب کے (بالکل) پیرو نہ ہو جادیں آپ (صاف) کہہ دیجیے کہ (بھائی) حقیقت میں تو ہدایت کا وہی رستہ ہے جس کو خدا نے بتلا دیا ہے اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں ان کے غلط خیالات کا علم (قطعی ثابت بالوحی) آچکنے کے بعد تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مددگار جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وانجیل) دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت (اس طرح) کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جو شخص نہ مانے گا (کس کا نقصان کرے گا) خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

اسرار و معارف

اب ان کا حال دیکھیے کہ یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا مذہب کوئی بنیاد ہی نہیں رکھتا اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے اور عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی نصاریٰ نے دین موسوی اور تورات کا انکار کر دیا اور لگے کہنے یہ بے بنیاد نظریات ہیں حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں اور آسمانی تمام کتب بنیادی عقائد کی یکساں تبلیغ کرتی ہیں اور توحید رسالت آخرت حشر نشر کے حقائق ایک سے بیان کرتی اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں تو اس طرح ان دونوں گروہوں نے گویا خود اپنی کتاب کا بھی انکار کر دیا اور انہیں کی طرح جہلا اور مشرکین کو بھی کتب الٰہیہ کے انکار کا موقع مل گیا اور انہوں نے دونوں کا انکار کر دیا اپنی بڑ ہانکنے لگے کہ جی اصل مذہب تو یہی بت پرستی ہے سو اب بعثت خاتم النبیین نے عقلی اور نقلی دلائل سے تو ہر طرح حق و باطل میں تمیز کر دی ہے اور اس کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ نئی کتاب اب تو ایک ہی بات ہے کہ روز قیامت اللہ جل شانہٗ عملاً ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں گے اور ان کے اختلافات حل ہو جائیں گے دنیا میں یہ حق پرستی کے جھوٹے مدعی یہ تک نہیں سوچتے کہ انہوں نے اللہ کے گھروں کو اجاڑ کر رکھ دیا ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ...... ان اللہ واسع علیم ۱۱۴ ان سے بڑھ

کہ ظالم کون ہو گا کہ بت پرستوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ بیت اللہ کا داخلہ روک دیا جب تک ان کا بس چلا وہ رکاوٹ بنے رہے ان یہود و نصاریٰ کے اسلاف کو دیکھو جس کو دوسرے پہ داؤ چلا چڑھ دوڑا اور معبد و مساجد حتیٰ کہ بیت المقدس تک کو برباد کرنے اور اس کی توہین کرنے سے باز نہ رہے اور اب جب کہ اسلام دین حق ہے نہ صرف مساجد ان کے سجدوں سے خالی ہیں بلکہ یہ طرح طرح کے اعتراضات اور بے جا شبہات پیدا کر کے ان کو بھی راہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہے جو مسجدوں کی آبادی کا سبب بنے ہوئے ہیں اور مساجد کی عظمت خود اس بات کی مقتضی ہے کہ جو شخص ان میں داخل ہو وہ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر جانے اور اس پر عظمت و ہیبت الٰہیہ طاری ہو وہ لرزاں و ترساں ادب و احترام سے حاضر ہو جہاں تک مساجد کے ادب کا تعلق ہے تو دنیا کی تمام مساجد اس لحاظ سے مساوی ہیں اور کسی بھی مسجد کی بے حرمتی ایسا ہی ظلم ہے جیسے بیت اللہ یا مسجد نبوی یا بیت المقدس کی اگرچہ ان تینوں مساجد کی عظمت اور خاص بزرگی اپنی جگہ مسلّم۔ کہ بیت اللہ میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کا ثواب پاتی ہے اور مسجد نبوی اور بیت المقدس میں پچاس ہزار کا۔ نیز مد یا ویرانی کے یا وہاں پر نماز و ذکر سے روکنے کے جتنے بھی طریقے ہیں۔ سب ناجائز اور حرام ہیں۔ جن میں سے کسی کو منع کرنا تو ایک ظاہر ہے کبھی وہاں شور و غل کر کے یا پڑوس میں زور زور سے ریڈیو بجا کر لوگوں کی نمازوں میں خلل ڈالنا بلکہ اوقات نماز میں یا جب لوگ نوافل یا ذکر وغیرہ میں لگے ہوں تو بلند آواز سے تلاوت کرنا یا ذکر جہر بھی ممنوع ہے ہاں اگر عام نمازی نہ ہوں تو اور بات ہے۔ اسی طرح مسجد کی ویرانی کی جتنی صورتیں ہیں سب ممنوع ہوں گی نہ صرف یہ کہ انہیں ڈھا یا نہ جائے بلکہ کوئی ایسی صورت یا ایسا جھگڑا جو نمازیوں کو وہاں آنے سے روک دے یہی حکم رکھے گا نیز ان لوگوں کے لیے یہاں بہت بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے مساجد میں حاضری ہی چھوڑ دی ہے اگرچہ وہ دوسروں کو روک نہ رہے ہوں تو بھی خود حاضر نہ ہو کر ویرانی کا سبب تو بن رہے ہیں اور اللہ نے یہاں کفار کے اس دعوے کا جواب دیا ہے جو وہ اپنے جنتی ہونے پہ قائم کرتے تھے کہ تمہیں مساجد میں تو قدم رکھنے۔

نہیں دیتا جنت میں ضرور تمہاری ہی دعوت کا منتظر ہوگا؟ یہاں حال یہ ہے کہ کسی بے نماز کا کبھو تو کہتا ہے کہ جی اللہ اپنے فضل سے ہی بخشے گا۔ ہم نے نمازی بھی دیکھ رکھے ہیں جبھی نمازی اور بے نماز میں ایک فرق تو ظاہر کہ وہ پانچ وقت اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوتا ہے۔ اور دوسرے کو اپنے در پر نہیں آنے دیتا تو یہی اللہ کا فضل ہے کہ جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو توفیق اطاعت ارزاں فرما دیتا ہے ورنہ نافرمان ایک تو خود اطاعت نہ کر کے ظلم کر رہا ہے دوسرے وہ کسی نہ کسی درجے میں مساجد کی ویرانی کا سبب بھی بن رہا ہے ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ دنیا میں اگر اسے مال و دولت یا اولاد ملی بھی تو اس کی پریشانیاں بڑھائے گی۔ اور اس کے لیے یہ بھی مصیبت بن کر رہے گی اور نہ ملی تو بھی اسی طرح اخروی عذاب میں گرفتار رہے گا۔ وللہ المشرق ...... واسع علیم۔ یہ جو انہیں بات مل گئی ہے کہ جی پہلے تو مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبے کی طرف کیوں پھر گئے کہ ابتداً قبلہ بیت المقدس ہی تھا تقریباً سولہ ماہ مدنی زندگی میں ایسا ہی رہا حتیٰ کہ اللہ نے استقبال کعبہ کا حکم نازل فرمایا تو یہود و نصاریٰ نے اس بات کو بہت ہوا دی کہ جی اگر نبی ہوتے تو شروع سے ایک قبلہ کیوں نہ مقرر کر لیتے۔ اب ان کی وہ نمازیں کیا ہوئیں جو بیت المقدس کو رخ کر کے ادا کیں تو اللہ نے فرمایا کہ یہ تو کمال اطاعت ہے مسلمان نہ بیت المقدس کے پجاری ہیں نہ کعبہ کے بلکہ یہ تو اللہ کے اطاعت گزار ہیں بیت المقدس قبلہ مقرر فرمایا تو ادھر سجدہ ریز اور کعبۃ اللہ کی طرف حکم دیا تو ادھر حاضر اور خود اللہ تو تمام سمتوں کو محیط ہے وہ کسی خاص سمت یا مکان میں مقید نہیں بلکہ ہر سمت اور ہر مقام پہ اس کی توجہ یکساں ہے اور ہر جگہ موجود ہاں وہ علیم ہے اور کئی حکمتوں کی وجہ سے کسی خاص سمت کی تعین کر دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک سمت کی تعیین نے پورے عالم اسلام میں ایک گونہ تنظیم پیدا فرما دی برخلاف اس کے کہ ایک جگہ چند نمازی جمع ہوتے تو ہر ایک کا منہ دوسری طرف ہوتا اور ایک افتراق کی شکل سامنے آتی۔ اور اسی طرح کی اور بے شمار حکمتیں جنہیں خدا بہتر جانتا ہے ورنہ تو اگر نمازی کو سمت معلوم نہ ہو یا تاریکی وغیرہ سے سمجھ نہ آتی ہو کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو اپنے اندازے

سے نماز پڑھ لے وہی سمت قبلہ ہو گی خواہ بعد میں پتہ بھی چل جائے کہ غلط سمت کو پڑھ لی پھر بھی نماز ہو جائے گی اعادہ کی ضرورت نہیں اسی طرح فقہ میں جزئیات دیکھی جا سکتی ہیں جن سے استقبال قبلہ کے حکم شرعی کی یہی حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے وقالوا اتخذ اللہ ولدا ۔۔۔۔ کن فیکون ۱۱۷؎ ذرا ان کی دیانتداری ملاحظہ ہو کہ جن کتابوں کو یہ مانتے ہیں ان پر کس طرح اپنے ایجاد کردہ عقائد مسلط کر رکھے ہیں جیسے ہر کتاب نے تنزیہ باری بیان کیا ہے مگر یہ دونوں گروہ مدعی ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے یہود نے کہا عزیز ابن اللہ اور نصاریٰ نے حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا قرار دیا حالانکہ اللہ احتیاجات سے بالاتر ہے اور کوئی اس کا کسی طرح ہمسر نہیں جب کہ صاحب اولاد خود بہت سی احتیاجات میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اولاد کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو بے شمار قسم کے افکار میں جکڑ دیتا ہے جس کے لیے بیوی کی ضرورت رشتہ داروں کی ضرورت خانہ داری کی محتاجی اور خود بقائے نسل کی احتیاج موجود ہے حالانکہ اس کی ذات اس سب سے بالاتر ہے پھر اولاد والد کے اوصاف لے کر آتی ہے انسان کا بچہ انسان اور حیوان کا بچہ حیوان بلکہ بھینس کا بچہ گائے نہیں ہو گا اور نہ گائے بھینس جنے گی حتیٰ کہ درخت کا ننھا پودا اپنی قسم کے بڑے درخت کی خصوصیات پتے رنگ ذائقہ وغیرہ رکھتا ہو گا تو لامحالہ اگر خدا کی اولاد ہوتی تو خدائی اوصاف رکھتی پھر وہ پاک اور لاشریک نہ رہتا بلکہ کئی خدا بن جاتے چھوٹے سہی اختیارات میں کم سہی مگر ہوتے تو خدا ہی حالانکہ ان کی کتابوں نے بھی اس کی تقدیس بیان کی ہے بلکہ جملہ کتب نے اعلان کیا ہے کہ اس کی ذات کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اور سب کچھ ہر کوئی اور ہر شے اس کے آگے دست بستہ حاضر کسی کو رکھے یا مٹا دے کسی میں مجال دم زدن نہیں بلکہ ہر شے اس نے نئے سرے سے پیدا کی ہے وہ تھا اور کچھ نہیں تھا ارض وسما اس نے پیدا فرمائے اس کی قدرت کامل اس کا اختیار غیر محدود اور اس کا حکم سب پر جاری ہے اس کی ذات قدیم اور ازلی و ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات قدیم اور ازلی و ابدی ہیں اس کا علم جامع اور حضوری ہے اور زمانوں کی قید سے بالاتر ماضی ہو یا مستقبل اس کے سامنے سب حاضر بلکہ وہ ایسا قادر ہے جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اسی کام کو فرماتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے یعنی

سب کچھ اس کے سامنے اس کے علم میں موجود اور حاضر ہے جو ہو چکا ہے جو ہو رہا ہے۔
بلکہ جو ہونے والا ہے۔ مخلوق کے لیے غیر موجود ہے مگر اس کے سامنے حاضر وہ اسی کی حکم
دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ یہاں عقیدہ بداء کی زبردست تردید ہوتی ہے کہ جن لوگوں
نے خدا کی طرف ایسا بہتان منسوب کیا وہ ان مذکرہ فرقوں سے کس طرح کم تر ہے اور انہوں
نے یہ جانا کہ معاذ اللہ اللہ کا علم نامکمل ہے جب کچھ ہو چکتا ہے اور اس کا نتیجہ سامنے ہوتا ہے۔
تب خدا کو پتہ چلتا ہے کہ کیا ہو گیا تو کیا ایسی ہستی کو احتیاج سے پاک کیا جا سکتا ہے جو کرنا تو
درکنار جاننے میں بھی محتاج ہو۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ یہ اس قدر گمراہی صرف اس لیے اپنانا
پڑی کہ اس کے بغیر عظمت صحابہ کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی راہ نہ تھی تورات و انجیل میں ان کی تعریف
کی گئی پھر مسلسل تیئس ۲۳ برس قرآن کریم نازل ہوتا رہا جس نے ہر پہلو سے ان کو مثالی بندے قرار
دیا اور رضائے الٰہی کے مظہر اور واجب الاتباع بنایا تو یار لوگوں کو ان چیزوں سے انکار
کرنے کے لیے عقیدہ بداء کی ضرورت پڑی کہ پہلے تو ایسے ہی تھے مگر جب حضور نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت فرمایا تو یہ بدل گئے اب وحی تو آتی نہیں اور خدا کو بداء ہو گیا تھا۔
ان کے اس وقت کے احوال سے آہ بیچارہ خدا! ایسے مجبور و بے بس کو خدا ماننے کی کیا ضرورت!
تو یہ سب کیا ہے اقرار کے پردے میں کتاب اللہ کا انکار ہے ورنہ ان کی پہلی کتابوں نے اللہ کے محتاج
ہونے کا تو انکار کیا ہے جو بنیاد ہے ایمان کی اس کے ساتھ ذرا ان کا سلوک دیکھیے یہ حال تو
اہل کتاب کا ہے رہے جہلا تو وہ ان سے بھی آگے نکل گئے۔ وقال الذین لایعلمون
..... لقوم یوقنون ہ ۱۱۸ وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہم پر کوئی
نشانی اور دلیل نازل کیوں نہیں فرماتا۔ یہ جاہل اتنا نہیں جانتے کہ اگر دنیا میں سب انسانوں
کو مکالمہ باری نصیب ہو تو میاں امتحان کیسا اور کہاں کا ابتلا پھر سب اسی کے ہو رہیں اور
کوئی اس کے در سے اٹھے ہی نہیں دنیا میں یہ دولت صرف انبیاء کو نصیب ہوتی ہے اور وہ بھی طور
پر ملتی ہے کہ کوئی انسان عبادت و ریاضت سے اس درجہ کو پا ہی نہیں سکتا اور آخرت میں
جس قدر انعامات اور نعمتیں رکھی ہیں ان سب سے اعلیٰ دیدار باری اور کلام باری ہی تو ہے
اور یہ دونوں جنت تو جنت ہے میدان حشر میں عظمت باری دیکھ کر ہر کافر پکار اٹھے گا

اللہ ایک بار زندگی دنیا کی لوٹا دے اور پھر دیکھنا ہم کس قدر اطاعت کرتے ہیں اگر یہ سب چیز ہر ایک پہ اتنی ہی ظاہر ہو جائے تو پھر امتحان اور آزمائش چہ معنی یہ اپنے کو انبیاء کا ہم پلہ جانتے ہیں ایسے ہی جاہلانہ اقوال ان سے پہلے کفار بھی کہا کرتے تھے اور عجب بات ہے کہ آج بھی جن اعتراضات کو جدید سمجھ کر پیش کیا جاتا ان کی چھان پھٹک کی جائے تو بات وہی ملتی ہے جو صدیوں سے کفار دہراتے چلے آرہے ہیں اس کی وجہ تشابہت قلوبھم ہے ان کے دلوں نے کفر اور بدکاری کی وجہ سے پہلے کافروں سے مشابہت پیدا کرلی ہے اس لیے ان ہی جیسی باتیں بھی ان کے دلوں سے نکلتی ہیں جب کوئی بدی کی راہ اپناتا ہے تو اسے شیطان سے ایک تعلق پیدا ہوتا ہے پھر اس کو جوں جوں بڑھاتا ہے تو نوبت کفر تک پہنچتی ہے پھر کفر کے مدارج ہیں تو جس طرح کی نسبت کفریہ کر پاتا ہے اس طرح کا جو کافر پہلے گزرا ہے اس جیسی باتیں دہراتا ہے اور ایک راز یہ بھی ہے کہ جس طرح ہر مبارک کلمہ پہ ایک خاص برکت اور رحمت متوجہ ہوتی ہے اسی طرح بڑے کافروں کے کفریہ الفاظ پر ایک خاص درجہ کا غضب بھی بھڑکتا ہے تو شیطان کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ کفار کے منہ سے وہ الفاظ کہلوائے جو بڑے بڑے کافروں نے کہے تھے تاکہ اس درجہ کے غضب الٰہی کا نشانہ بنیں اسی طرح جو شخص نیکی کی طرف گامزن ہوتا ہے اسے نیک لوگوں سے ایک خصوصی تعلق نصیب ہوتا ہے جس کے درجے بھی مختلف ہیں فنافی الشیخ فنافی الرسول اور فنافی اللہ اسی راہ کی منازل ہیں جنہیں فنافی الرسول نصیب ہوتا ان کے قلب کا ایک ربط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے منہ سے وہ باتیں جاری ہوتی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھیں وہ مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کا مصداق بنتے ہیں۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی
میرا فقط ہاتھ چل رہا ہے انہی کا مطلب نکل رہا ہے!
انہی کا مضمون انہی کا کاغذ قلم انہی کا دوات ان کی

یہ اس لیے کہ تشابہت قلوبھم ان کے دل مشابہت پیدا کر لیتے ہیں۔ کفار کے اعتراضات

اس وجہ سے نہیں کہ حق بیان کرنے میں کوئی کسر ہے بلکہ اس کی وجہ پہلے کفار سے ان کی باطنی نسبت ہے ورنہ تو ہم نے قد بینّا الآیات ظاہر و باہر دلائل ارشاد فرمائے ہیں اور رسالت محمدیہ اور حقانیت کتاب اللہ پر نہایت واضح دلیلیں موجود ہیں۔ مگر یہ ان لوگوں کو مفید ہے۔ جو یقین و اطمینان کے طالب ہیں معترضین کو کیا حاصل۔ کچھ حاصل کرنے کے لیے طالب ہونا ضروری ہے اعتراضات سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ انا ارسلنٰک بالحق ..... اصحٰب الجحیم۝[119] ہم نے تو آپ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور احقاق حق کے واضح دلائل قائم فرما دیئے ہیں۔ اہل کتاب کے لیے پہلے سے ان کی کتب ہیں اور مشرکین کے لیے آپ کی سیرت آپ کی صورت آپ کے معجزات آپ کی تعلیمات اور آپ کی پیشگوئیاں یہ سب اہل یقین کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اب آپ کا کام ماننے والوں کو بشارت و خوشخبری دینا و منکرین و معاندین کو انکار کے وبال سے آگاہ کرنا اور اس راہ کے خطرناک انجام یعنی دوزخ سے ڈرانا ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی اسی راہ پر چلتا ہے تو آپ کیوں ملول خاطر ہوتے ہیں سبحان اللہ کیا کرم ہے اللہ کا رسول کا فرکی ذات سے متنفر ہونے کی بجائے اس کو مبتلائے کفر دیکھ کر اس کا دکھ محسوس فرماتا ہے کہ آخر اللہ کا بندہ تو ہے بیچارہ بھٹک گیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلے گا " تو مومنین کے ساتھ کس قدر شفیق ہوگا اللہ اللہ فرمایا آپ کوئی اہل دوزخ کے متعلق جوابدہ تھوڑی ہیں اگر کوئی اپنی رائے سے وہ راہ اختیار کرتا ہے تو کرکے دیکھ لے ولن ترضٰی ..... ولا نصیر۝[120] رہے یہود و نصاریٰ اور ان کے ساتھ اتفاق و اتحاد تو یہ لوگ تب تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے دین اور ان کی رسومات کے تابع نہ ہو جائیں جو محال ہے تو پھر ان کا خوش رہنا بھی محال ہے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں کے گہرے مراسم گمراہ فرقوں سے استوار ہیں ان میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں وہ گمراہی موجود ہے ورنہ حق اور باطل کا یکجا ہونا ممکن نہیں ہاں دنیا کے امور میں مثلاً تجارت ملازمت یا اسی طرح کی باتیں یہ تو ہو سکتی ہیں۔ مگر ایک دوسرے کی دعوتوں میں شرکت آپس میں دلی محبت تب ہی ہوگی جب کوئی وصف مشترک ہوگا۔ تو سیدھی بات تو یہ ہے کہ اگر ان کی طرف سے کوئی ارادہ کسی طرح ظاہر بھی ہو تو کہہ دیا جائے کہ صحیح اور درست راہ وہ ہے جو اللہ نے ارشاد فرمائی ہے ورنہ یہ بھی حقیقت کہ اے

مخاطب اگر تو علم قطعی اور وحی الٰہی آجانے کے بعد بھی ان کی خرافات کو اپنائے تو پھر تجھے کوئی دوست یا مددگار اللہ کے ارشاد کے مقابلے میں کسی کی بات کو کوئی وقعت عطا فرمائیں گے یہ اس حکم کی عظمت کا اظہار ہے کہ جب خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو آپ سے تو اس کا سرزد ہونا محال اور اس پر غضب کا وارد ہونا گیا مگر یوں سمجھو کہ جب دنیا میں کوئی آپ جیسا نہیں تو پھر جو کوئی بھی کفار سے دوستی کی خاطر ان کی رسوم اپنائے گا اور ان کے کفر کی ترویج کے لیے چندے دے کر انہیں خوش کرے گا پھر اللہ کی گرفت کے وقت انہیں کو پکار کر دیکھے گا کہ کسقدر کام آتے ہیں، یاد رہے یہ ذاتی تعلقات کی بات ہو رہی ہے حکومت کی نہیں حاکم پر بحیثیت رعایا ہونے کے سب کے حقوق ہوتے ہیں۔ الذین آتینٰھم الکتاب ..... ھم الخٰسرون ۱۲۱ ہاں ان میں بھی جو لوگ اس کتاب کو جو انہیں عطا ہوئی اس طرح پڑھتے ہیں کہ بجائے اس میں ترامیم کرنے کے اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ حق تلاوۃ، یعنی فہم سلیم سے حق و انصاف سے یہ تلاش کرتے ہیں کہ اللہ کی کتاب ہمیں کن امور سے منع فرماتی ہے اور کن امور کے اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے تو ان کو ہدایت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور وہ آپ پر اور اللہ کی آخری کتاب پر بھی ایمان لے آتے ہیں۔

تلاوت کتاب کا طریقہ بھی یہ ہے کہ برکت حاصل کرنے، دل کو منور کرنے کے لیے اس کے معانی پہ غور کرے اور دل و جان سے اس کے احکام اپنائے اگر محض اعتراضات کے لیے اور کج بحثی کے لیے پڑھتا بھی رہے تو کیا ہوگا انکار کردے گا اور اس پہ یقین نہ رکھے گا تو ایسا کرنے والا کسی کا کچھ نہ بگاڑے گا بلکہ اپنی تباہی کا سبب بنے گا اور خود کو ایمان کے اعلیٰ انعامات سے محروم کر کے ابدی نقصان میں مبتلا ہوگا۔

رکوع ۱۵ :

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ
عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ○ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ
اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ
عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُوْدِ ○ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا
وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ رَبَّنَا
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ رَبَّنَا
وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ع

ترجمہ :

اے اولاد یعقوب (علیہ السلام) میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اس کو بھی (کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر فوقیت دی۔ اور تم

ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ (حق واجب) ادا کرنا پاوے گا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاوے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش (جب کہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی۔ اور نہ ان لوگوں کو کوئی بچا سکے گا اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ ان کو پورے طور پر بجا لائے (اس وقت حق تعالیٰ نے (ان سے) فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کو (نبوت دیجئے) ارشاد ہوا کہ میرا (یہ) عہدہ (نبوت) خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا۔ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور (مقام) امن (ہمیشہ سے) مقرر رکھا اور مقام ابراہیمؑ کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو۔ اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک رکھا کرو۔ بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے اور جس وقت ابراہیم (علیہ السلام) نے (دعا میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس کو ایک (آباد) شہر بنا دیجئے امن (وامان) والا اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں سے بھی عنایت کیجئے ان کو (کہتا ہوں) جو کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اس شخص کو جو کہ کافر ہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤنگا پھر اس کو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچا دونگا اور وہ پہنچنے کی جگہ تو بہت بری ہے اور جب کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگا (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجئے جو آپ کی مطیع ہو۔ اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ رکھیئے (اور) فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے

والے اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجیے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو آسمانی کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کردیں۔ بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرۃ کامل الانتقام۔

اسرار و معارف

ہر طرح کے عقلی نقلی اور اعجازی جواب ارشاد فرما کر جب سب طرف سے عاجز کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت واضح ہوگئی تو پھر خطاب براہ راست بنی اسرائیل کو ہوا کہ اے اولاد یعقوب علیہ السلام میرے احسانات اور انعامات جو میں نے تم پر کیے یاد کرو۔ یہ میرا ہی احسان تھا کہ تمہیں تمہارے دور کی پوری دنیا پہ فضیلت عطا کی بنی اسرائیل کے ساتھ بات اسقدر طویل اس لیے ہے کہ آپ کی بعثت کے زمانے میں بھی ایک عالم میں یہی لوگ سربراہ تھے۔ بلکہ مذاہب عالم پر چھائے ہوئے تھے اور خود مشرکین عرب بھی اپنی مذہبی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ کی ذات اقدس سے سوال کرنے کے لیے مدینہ آتے اور علماء یہود سے پوچھ کر مکہ جاکر سوالات کیا کرتے یعنی ان کی مذہبی بڑائی مسلّم تھی پھر دنیا میں بہت بڑی بڑی حکومتیں پہلے بھی رہی تھیں اور اس وقت بھی موجود تھیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو کم از کم سارے عرب کی نگاہ اس بات پر تھی کہ دیکھیں علماء بنی اسرائیل آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ ان کا گمان فاسد یہ ہوگا کہ یہ فاضل لوگ ہیں معاذ اللہ حضورؐ کو عاجز کر دیں گے۔ پھر پوری دنیا پہ اس دور میں بھی اور ہمیشہ کے لیے بھی قرآن کریم کے مضامین ہی سند کی حیثیت رکھنے ہیں اس لیے بھی یہ بات ذرا مفصل ہوگئی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ عقل رکھنے والا انسان جب دل سے جاننا چاہے تو جان لے کہ حق کیا ہے ونیز جب اہل کتاب پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ کا ماننا ہی دین ہے تو جو ادیان باطلہ آسمانی کتاب ہی نہیں رکھتے ان پر تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی سو ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت فرما کر فرمایا کہ اصل شے

تو یہ ہے کہ اللہ جو حقدار ہے عبادت کا وہ ہے ہی ایسا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ لیکن اگر کوئی اتنی ہمت نہ رکھتا ہو تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ کم از کم اس کے احسانات پر تو نگاہ کرے کسقدر انعامات ہیں جو اس نے مخلوق کی ایک ایک فرد پر کئے ہیں اور تم پر انفرادی کیا اور اجتماعی بحیثیت قوم کیا کسقدر عظیم احسانات فرمائے تمہیں اقوام عالم کا سردار بنایا تمہاری قوم ہیں نسلاً بعد نسلٍ حکومت اور نبوت کو جمع فرمایا۔ اور تمہیں ظاہر و باطنی سربلندیاں عطا کیں اور پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا ہی احسان فراموش بھی ہو تو اسے روز جزا سے بے خطر نہ ہو جانا چاہیئے کم از کم اس دن سے تو ڈرتا رہے جو باز پرس کا اور اعمال کے اجر کا دن ہے اور جس سے کوئی بچ نہیں سکے گا۔ اور پھر کفر جس کو تم نے گلے لگا رکھا ہے یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے ایسی مصیبت ہے کہ انسان کو بالکل بے یار و مددگار اور یکہ تنہا چھوڑ دے گی نہ تو اس کی سفارش کرے گا اور نہ ہی اس کو کوئی سفارش مفید ہوگی اور نہ کوئی ایسی ہی ہستی ہے جو طاقت کے ساتھ اسے چھڑا سکے یعنی نجات کے تمام دروازے اور خلاصی کی ساری ممکنہ راہیں اور وہ راہیں بھی جو ممکن تو نہیں مگر تمہارے فاسد ذہنوں میں موجود ہیں کہ غالباً کوئی تمہیں اللہ سے چھین لے گا یہ سب مکمل طور پر بند اور منقطع ہیں ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے ایمان قبول کرنا جو تم کرکے نہیں دے رہے اور اس کفر کے ساتھ دعوٰے ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے وارث اور دین ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا اب یہاں اس دعوے میں تو مشرکین عرب بھی ان کے ہمنوا تھے یہود کا دعوٰے تھا کہ دین ابراہیمی اور حق وہ ہے جو ہمارے پاس ہے یہی دعوٰے نصاریٰ کا تھا اور یہی دعوٰے مشرکین کا بھی تھا بلکہ انہوں نے تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کے بت بنا کر بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے تو اللہ کریم نے سب پر اتمام حجت کرتے ہوئے فرمایا کہ واذ ابتلیٰ ابراھیم .... لاینال عھدی الظٰلمین ۱۲۴ ابراہیم علیہ السلام ایسے تو نہ تھے جیسے تم ہو تمہیں اپنا اقتدار کلمہ پڑھنے سے مانع ہے تم میں سے کسی کو مال و دولت نے روک رکھا ہے کوئی رسومات کا اسیر ہے اور کسی کو رشتہ داری نے جکڑ رکھا ہے مگر ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ نے متعدد امتحانوں میں ڈالا تو وہ سب میں پورے اترے ان بظاہر مشکلات کو جو اللہ کی راہ میں آئی ہیں امتحان بدیں وجہ کہہ دیا جاتا ہے کہ انسان طبعاً جن سب چیزوں

کی طرف رغبت رکھتا ہے جب اللہ کے لیے اور اس کی راہ میں ان کو قربان کرنا پڑتا ہے تو خود انسان کے لیے ایک امتحان کی صورت بن جاتی ہے۔ ورنہ یہ مقصد نہیں کہ اللہ اس کی قابلیت سے واقف نہیں اور آزما کر جاننا چاہتا ہے بلکہ اس کی تربیت اور اس کے منازل علیہ پر فائز ہونے کے لیے یہ سب ضروری ہوتا ہے اسی لیے تو ابتلا کے سامنے صفاتی نام رکھنے آیا ہے جیسے شہادت ایک مرتبہ قرب ہے مگر اس کے لیے بھی تو راہ حق میں قتل ہونا پڑتا ہے اور جان نذر کرنا پڑتی ہے نبوت اگرچہ شئے وہبی ہے مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں جس طرح اللہ کی ذات غیر محدود ہے اسی طرح اس کے قرب کے منازل بھی غیر محدود ہیں اور اس ترقی کے لیے مجاہدات ضروری ہیں خواہ وہ اضطراری ہوں یا اختیاری حتیٰ کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ کی مشکل ترین زندگی سے گزرنا تبلیغ دین کے لیے مختلف سفر ہجرت جہاد سلطنت اسلامی کا قیام اور دندان مبارک کی قربانی سب اسی راہ کی منازل ہیں اور ولایت جو شئے ہی کسبی ہے اور بعض اوقات وہبی بھی نصیب ہوتی ہے اس کے لیے کیوں یہ تمام چیزیں شرط نہ ہوں گی پھر جب منازل قرب غیر محدود ہیں تو یہ کہہ دینا کہ فلاں حضرت نے سلوک مکمل کر لیا بہت مشکل ہے یہ وہ راہ ہے جس کی انتہا ابدالآباد تک نہ آئے گی دنیا، برزخ اور جنت میں مسلسل ترقی کا نام سلوک ہے سو خود حضرت ابراہیم ان تمام مراحل سے گزرے جس گھر میں اور جس آغوش میں آنکھ کھولی انہیں بت پرستی میں مبتلا پایا تو اللہ کی راہ میں انہیں چھوڑنا پڑا اپنے ماحول برادری اور معاشرے کو ایسا ہی پایا تو سب کو خیر باد کہنا پڑا حکومت وقت کو اسی مرض کا مریض پایا تو اس سے ٹکرا گئے آگ میں کود گئے مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی وطن کو چھوڑنا پڑا تو گزرے ضعیفی میں چاند سا بچہ عطا ہوا تو بی بی اور بچہ کو جنگل میں چھوڑنے کا ارشاد ہوا تعمیل کی حتیٰ کہ بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا چھری چلا دی فاتمھن غرض تمام ارشادات کی مکمل اطاعت کی یہ گویا ان کے اس زعم باطل کو رد فرمایا جا رہا ہے کہ خود کو ابراہیمی تو کہتے ہو مگر کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہے اور قبول حق کی جرأت نہیں رکھتے سو اللہ نے انہیں فرمایا کہ آپ کو انسانیت کا پیشوا بنا دوں گا یعنی وہ تمام کمالات جو بحیثیت انسان کوئی حاصل کر سکتا ہے اور وہ تمام راہیں جن پر کوئی انسان گامزن ہو سکتا ہے ان پر اپنے آگے آپ کے نقوش پا پائے گا۔ للناس اماما، امام سے مراد

پیشرو یا موجودہ لغت میں لیڈر ہے امامت منصب نہیں ہے یہاں فرقۂ امامیہ کا یہ استدلال کہ امام معصوم ہوتا ہے اور یہ کہ نبوت کے بعد امامت ملی ہے اس لیے نبوت سے افضل ہے سرے سے ثابت ہی نہیں ہوتا کہ قرآن کریم نے امام محض پیشوا کے معنوں میں لیا ہے۔ حضرت ابراہیم نبی تھے۔ انبیاء میں پیشوا ہوئے لیکن جو لوگ کفر میں آگے نکل گئے اور کافروں کے پیشوا ہوئے ان کو بھی اَئمۃ الکفر فرما دیا جیسے ارشاد ہے وقاتلوا ائمۃ الکفر۔ مگر نبوت ایک منصب ہے کسی بڑے سے بڑے لیڈر کو نبی نہیں کہا گیا بجز ان مبنیوں کے جو من جانب اللہ مبعوث ہوئے۔ اسی لیے تو جو نماز میں لوگوں کی پیشوائی کرتا ہے اسے بھی امام کہہ دیا جاتا ہے جس نے حدیث شریف میں لوگوں کی راہنمائی کا یہ درجہ پایا اس فن کا امام کہلایا جس نے فقہ میں راہنمائی کی وہ فقہ کا امام ہوا وعلی ہذا۔ تو جب ابراہیم علیہ السلام پر یہ انعام ہوا تو انہوں نے عرض کی بار الٰہیا میری اولاد کو بھی یہ عظمت نصیب فرما کہ وہ نیکی اور قرب کے منازل میں درجہ پیشوائی کو پہنچیں فرمایا ضرور مگر ان کو جو حق پرست ہوں گے ظالموں کو ہرگز نہیں یعنی محض آپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے انعامات باری کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ عدل شرط ہوگا یعنی یہ جو موروثی ولایت سے یہ تو چلے گی کہ باپ فوت ہوا تو بیٹا خواہ کیسا ہی بدکار ہو گدی نشین بن گیا۔ بلکہ اس کے لیے عقائد و اعمال کا ہونا شرط ہے۔ جو اس وقت ان لوگوں میں جو آپ کے مقابل تھے مفقود تھی سو ان کا دعویٰ باطل ٹھہرا اب مشرکین کا یہ زعم کہ ہم بیت اللہ کے خادم ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے آپ کو نبی ماننے کی اس کو کیا خرد تو فرمایا کہ یہ بیت اللہ کی تعمیر جدید کا شرف بھی ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا مگر کس لیئے واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس .... والرکع السجود۔ جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے ثواب کی نیت سے جمع ہونے کی جگہ قرار دیا اور جائے امن بنایا اور امت محمدیہ کو بھی حکم دیا کہ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنایا کرو یعنی اسے ارکان حج میں داخل فرمایا تو تعمیر کے وقت ہی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو ظاہری و باطنی ہر طرح کی نجاست سے پاک رکھو یہاں یہ پورا قصہ نقل کرنا کہ کیسے شام سے ہجرت کر کے حضرت ہاجرہ اور ننھے اسماعیل علیہ السلام۔ وہاں پہنچے اور کیسے ٹھہرائے گئے اور ابراہیم علیہ السلام

پہنچا کر واپس تشریف لے گئے میرے خیال میں طوالت کا باعث ہوگا۔ دیگر تفاسیر میں مفصل موجود ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جائے میں مضمون آیت سے متعلق عرض کروں گا کہ اللہ کریم نے اس جگہ کو ایسی تجلیات کا مہبط بنایا ہے جو ہر مومن کے دل کو کھینچ لیتی ہیں حتیٰ کہ بار بار حج کرنے سے شوق زیارت بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، اور اس مقام کو جائے امن بنایا کہ تم لوگ باوجود گمراہ ہونے کے اس کی وجہ سے ہزاروں طرح دنیاوی امن و سلامتی کو پا رہے ہو تو جو مومن یہاں پہنچے گا دو عالم میں مامون ہوگا اور مقام ابراہیم کو ایک خاص فضیلت بخشی یہ سب اس لیے کہ اس گھر کو خالص میرے لیے پاک و صاف رکھا جائے نہ عمل کی گندگی یہاں پھیلنے پائے نہ عقیدے کی اور یہ صرف طواف کرنے والوں اور معتکف ہونے والوں اور عبادت الٰہی میں لگے رہنے والوں کے لیے مختص کر دیا جائے یہاں کسی طرح سے عبادات میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور کوئی غیر مشروع کام نہ کیا جائے یہی حال تمام مساجد کا ہے کہ وہ بھی مساجد اللہ کہلاتی ہیں۔ اور یہی حکم اس دل کا ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب ہوگا کہ کہ شرک و بدعت سے بھی پاک ہو اور کبر و نخوت اور حسد وغیرہ کے بتوں سے بھی اگر وہاں ہو تو محض اللہ کا نام اللہ کی یاد اور جذبہ اطاعت نہ یہ کہ مشرکین مکہ کی طرح دعوٰے ہو دین داری کا اور کعبہ بتوں سے بھرا رکھا ہو۔ طالبین راہ طریقت کو جان لینا چاہیئے کہ اس راہ میں ادنیٰ سی بدعت بھی قابل برداشت نہیں سراسر سنت خیر الانام جو ہر طرح سے پاکیزہ ہے کی جاتی ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے اللہ

اذ قال ابراھیم رب اجعل .... وبئس المصیر ۱۲۶ اے میرے پروردگار اے وہ جس نے مجھے تمام کمالات ظاہری و باطنی عطا فرمائے ہیں۔ اور اے وہ جو سب کا پالنے والا ہے اس شہر کو امن کا شہر بنا اور اس کے مکینوں کو ہر طرح کا رزق مہیا فرما من الثمرات سے تمام ضروریات زندگی مراد لی جاسکتی ہیں اور قبول دعا کا اثر دیکھو کہ اے اہل مکہ تم ہر طرح سے امن میں ہو کبھی کوئی جابر اسے فتح نہ کر سکا حتیٰ کہ اصحٰب فیل کا واقعہ خود قرآن میں مذکور ہے وفاء الوفا میں ایک حکمران کا ذکر ہے جس نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو منہ سے ایک بدبودار پانی جاری ہو گیا اس نے اپنے علماء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا تو سب نے کہا کہ اس شہر پہ آپ

قابض نہ ہوں اور یہاں کے رہنے والوں کو راضی کریں تو اس نے کئی عرصہ تک لوگوں کی عزت کی اور ہر طرح سے دلجوئی کی ان علماء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ہجرت مدینہ کی پیشگوئی کی کہ مکہ مکرمہ کی کرامت دیکھ کر وہ ایمان لایا پھر مدینہ پہنچا جہاں اس نے بعض علماء کو حضورؐ کے نام خط دے کر ٹھہرایا کہ جب آپ مبعوث ہوں تو یہ چٹھی پیش کی جائے حضرت ابوایوب انصاریؓ انہی کی اولاد میں سے تھے اور آپؐ کی تشریف آوری پہ چٹھی پیش کی تھی۔ اسی کی طرف یہ شعر منسوب ہے۔ ولو مد عمری الی عمرہ ؛ لکنت وزیرا لہ وابن عم۔

غرض ہر طرح سے شہر امن قرار پایا اور دنیا میں کسی جگہ اور کسی موسم میں کوئی شے پیدا ہوتی ہو مکہ مکرمہ میں وہ سارا سال دستیاب رہتی ہے مگر یہاں حضرت ابراہیم نے ایمان کی قید بڑھا دی کہ جو ان میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں انہیں یہ نعمتیں نصیب فرمانا گویا یہ پہلی دعا کی وجہ سے ہو گا کہ جب اولاد کے لیے انعامات باری میں برکت کی دعا کی تو حکم ہوا تھا کہ نافرمانوں کو یہ دولت نصیب نہ ہو گی مگر وہ مدارج روحانی اور قرب الٰہی کی بات تھی۔ یہاں نعم دنیا کا ذکر ہے تو اللہ کریم نے ایمان کی قید اٹھا دی فرمایا جو بھی یہاں وارد ہو گا وہ دنیاوی راحتوں سے ضرور نوازا جائے گا یہ بات اور ہے کہ کافر کے لیے نعمتیں چند روزہ ہیں کہ دنیا کی زندگی میں تو متمتع ہو گا مگر پھر کھینچ کر آگ کے عذاب میں پھینک دیا جائے گا جو ایک بہت مشکل جگہ ہے یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ محض دنیا کی دولت اللہ کی رضا کا مظہر نہیں صحت عقیدہ اور عمل بغیر دولت کے بھی رضائے الٰہی کا مظہر ہے اس کے ساتھ دولت دنیا بھی نصیب ہو جائے تو انعام باری ہے ورنہ وجہ عذاب تو کفار کا یہ زعم بھی رد ہو گیا کہ ہم مکہ میں رہتے ہیں اور بڑے آرام سے گزر ہو رہی ہے اگر حق پر نہ ہوتے تو اس بے آب و گیاہ صحرا میں اسقدر آرام دہ شہر کی راحتیں کیوں پاتے فرمایا یہ تو دعائے ابراہیمی کا صلہ ہے اور دنیا کافر و مومن پہ عام ہے اس چند روزہ عافیت کو ابدی عاقبت کی دلیل مت جانو بلکہ اخلاق ابراہیمی پیدا کرو۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل .... انک انت التواب الرحیم ۱۲۷-۱۲۸ تمام عمر اطاعت الٰہی میں بسر فرمائی گھر بار مال جان اولاد راہ خدا میں نثار کی اور پھر بھی جب باپ بیٹا تعمیر کعبہ میں لگے ہیں تو بجائے اپنی طاعات پر گھمنڈ کرنے کے عجز و انکسار سے دل پر ہیں۔ اور زبان پر یہ کلمات جاری ہیں اے ہمارے رب یعنی اے

وہ ہستی جس نے ساری توفیق کمال عطا کی اپنے کمال پر ناز نہیں ہے بلکہ اپنے رب یعنی کمالات کے عطا کرنے والے کی بخشش پر احساس تشکر ہو لیا ہے اور عرض گزار ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہماری محنت کو قبول فرما لیجئے کہ آپ بے نیاز اور ہم محتاج ہیں اور آپ تو اے اللہ سننے والے ہیں ہماری معروضات کو سن رہے ہیں اور جاننے والے ہمارے دلوں کی گہرائی آپ کے سامنے ہے اور ہماری نیتوں پر آپ آگاہ ہیں۔ اے ہمارے رب اور اے منعم حقیقی واجعلنا مسلمین لک ہم دونوں کو ہمیشہ اپنا فرمانبردار رکھئے۔ یہ ہے شان معرفت کہ جسقدر معرفت نصیب ہوئی اللہ کی عظمت اور اس کے مقابلے میں اپنے اعمال کمتر نظر آتے ہیں حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ الٰہی ماعبدناک حق عبادتک یہ دلیل ہے معرفت باری کی اور چند روز ٹوٹی پھوٹی نماز ادا کر کے شکوہ لے بیٹھنا کہ جی بڑی محنت کی ہے مگر ابھی تک کوئی مدارج طے نہیں ہوئے عدم معرفت پہ دال ہے۔ ایسے شخص نے اللہ کی عظمت کو جانا ہی نہیں۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔ سبحان اللہ اولاد کو راہ حق میں ذبح کرنے والے خلیل اللہ کو اولاد کسقدر عزیز ہے کہ کسی موقع پر اسے بھولتے نہیں دنیادار تو اولاد کا مستقبل سنوارتے ہیں مگر ان کی نگاہ سے حقیقی مستقبل اوجھل ہی رہتا ہے اور محض دنیا کی دولت کا اہتمام کر کے خود کو فارغ سمجھ لیتے ہیں مگر اللہ کے بندوں کی نگاہ ہر دو عالم پر ہوتی ہے۔ جہاں رزق دنیا طلب فرمایا وہاں ان کے لیے آخرت کے طالب اور دین و ایمان کے خواہاں بھی ہیں۔ سو عرض کی اللہ ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو ضرور پورا پورا فرمانبردار بنا دیجئے کہ بڑے لوگوں کا معاشرہ میں ایک مقام ہوتا ہے اگر ان کی اولاد سدھر جائے تو عوام کی اصلاح کا سبب بنتی ہے ورنہ لوگ ہر کس و ناکس کے پیچھے چلنا گوارا نہیں کرتے اسی لیے تمام انبیاء اعلیٰ خاندانوں سے ہوئے ہیں اور صاحب منصب ولی ہمیشہ اعلیٰ خاندان سے ہوتا ہے۔ بلکہ عموماً خلفاء اربع کی نسل سے ہوتے ہیں کم از کم اقطاب اور اس سے اوپر کے مناصب انہیں لوگوں میں ملتے ہیں۔

تو گویا یہ دعا صرف اولاد کے لیے نہیں بلکہ اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنانے کے لیے ہے۔
وارِنا مناسکنا ہمیں ہمارا طریق عبادت جو آپ کے ہاں مقبول ہو دکھا دیجئے مناسک منسک کی جمع ہے اور اعمال حج کو بھی کہا جاتا ہے ممکن ہے مراد تعمیر بیت اللہ کے بعد ارکان حج ہی ہوں کہ اللہ دکھا دیجئے خواہ آنکھوں سے یا دل سے مگر عموم کے لحاظ سے یہاں بات واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا زاہد اپنی طرف سے عبادت کا طریقہ ایجاد کرنے کا مجاز نہیں بلکہ عند اللہ مقبول طریقہ وہی ہو گا جو اللہ اپنے رسول کو فرمائے گا اور اس کی وساطت سے مخلوق تک پہنچائے گا سو عبادت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اصل سنت خیر الانام میں موجود ہو ورنہ بدعت بن جائے گی بعض لوگ محض بزرگوں کی عقیدت میں بہہ جاتے ہیں اور یہ تک نہیں دیکھتے کہ اگر ان کا کوئی عمل خلافِ سنت ہے تو ممکن ہے کوئی عذر شرعی ان کے پاس موجود ہو جیسے اگر شیخ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو مریدین کو بلا عذر شرعی بیٹھ کر شروع نہ کر دینی چاہیے یہ تو مثالاً عرض ہے آج کل کے اکثر غیر مشروع امور کی اصل پوچھو تو کہا جاتا ہے ہمارے حضرت کرتے تھے بھئی سب حضرات کے بھی حضرت ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیوں نہیں کرتے ہو جو آپؐ کرتے تھے سو عرض کی بارالہا ہمیں طریق عبادت تعلیم فرما دے اور وتب علینا ہماری عبادات کو قبول بھی فرما یعنی اس قدر زہد کے بعد بھی یہ خیال ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے قبول کر کہ تیری بارگاہ عالی ہے اور ہماری عبادات بہر حال ایک انسان کی کوشش سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہ تو تو قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ فرمایا یہ ہے اسوۂ ابراہیمی اے کبر و نخوت کے پتلو ذرا اپنے آپ کو جانچو۔ یہ بھی تو انہوں نے ہی عرض کیا تھا ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم...... انک انت العزیز الحکیم ۱۲۹
اے ہمارے رب ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج۔ ایسا عظیم الشان اور عالی مرتبہ کہ ان پر تیری آیات پڑھے یعنی انہیں آپ سے ہم سخن کر دے۔ اور تعلیم دے ان کو کتاب و حکمت کی۔ اور ان کو پاک کر دے کہ تو زبردست ہے سب کر سکتا

ہے اور حکیم ہے سب سے اعلیٰ طریقے سے کر سکتا ہے۔ غرض اہل حق کی جماعت کا قیام ایک عظیم الشان رسول کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل کی دعا ہے جو حدیث پاک میں ملتا ہے کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں یہاں تک تو اکثر حضرات نقل فرماتے ہیں مگر پتہ نہیں کیوں امۃ مسلمۃ لک کا خیال نہیں فرماتے جہاں آقائے نامدار مظہر دعا ہیں وہاں آپ کے صحابہ کبار بھی مظہر دعا ابراہیمی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تو یہاں جس عالی مرتبت رسول کی بعثت کی دعا ہے اور جو پہلی ساری دعاؤں کی طرح مقبولیت کے شرف سے سرفراز ہے اس کے مظہر بھی خاتم النبیینؐ ہی تو ہیں۔

اب دعا میں ان کے فرائض منصبی کا ذکر بھی ہے کہ تیری آیات ان پر پڑھے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے تو پتہ چلا کہ تلاوت کتاب بجائے خود ایک مقصود ہے اور اس کا جاننا اس کے مطالب پر آگاہ ہونا ایک علیحدہ کام اللہ کی کتاب عام کتابوں کی طرح نہیں ہے کہ اگر معانی کا پتہ نہ چلے تو پڑھنا ہی چھوڑ دو اگر صرف معانی جان کر عمل کر لینا ہی مقصد ہوتا تو خود نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ بار بار نہ پڑھتے جب کہ اکثر سے روزانہ ختم اور بعض سے تین دن میں ایک ختم ساری زندگی کا معمول ثابت ہے اور سات دن میں ختم پر تو سات منازل گواہ ہیں کہ یہ عمل تو اکثریت کا رہا ہے۔ آیات سے ثابت ہوگا کہ وہی الفاظ قرآن کہلائیں گے جو منزل من اللہ ہیں کسی دوسری زبان میں ترجمہ قرآن نہ کہلائے گا کہ بغیر متن کے صرف انگریزی یا اردو میں شائع کر دیا جائے نیز کتاب اللہ کی تعلیم آپؐ کے فرائض منصبی میں ہے قرآن کا مفہوم وہی ہوگا جو آپؐ کی تعلیم سے ثابت ہو ورنہ محض عربی دانی پر نازاں ہو کر اپنی پسند سے ترجمہ کر لینا قابل قبول نہ ہوگا اس طرح تو عربی جاننے میں ابوجہل کسی سے کم نہ تھا اور خود صحابہ کرامؓ میں بڑے بڑے فاضل ادیب اور شاعر موجود تھے۔ مگر سب تعلیم کتاب میں آپؐ کے محتاج کہ آپ کا منصب معلم کتاب، یہاں ان لوگوں کا زعم باطل بھی دھرا رہ جاتا ہے

ہے۔ جنہوں نے یہ دعوےٰ کر دیا کہ ہمیں قرآن ہی کافی ہے حدیث پاک کا تو کیا اعتبار یہ صحیح نہیں رہی اور اس میں بہت رطب و یابس بھر گیا ہے یہ کہنے والے فضلا اللہ کے اس وعدے کو بھول جاتے ہیں انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون، ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں یہاں اگر صرف الفاظ کی حفاظت ہی مراد لی جائے تو مفہوم الفاظ کون مقرر کرے گا جس کو جاننے میں ابوبکر صدیقؓ فاروق اعظمؓ تک حضورؐ کے محتاج ہیں آج کے فضلا بازی لے گئے کہ بغیر حدیث کے معانی متعین کر لیتے ہیں یہ ضرور ہے کہ الفاظ قرآن بالکل محفوظ چلے آئے جب کہ احادیث کے الفاظ اس طرح محفوظ نہ رہے کہ ظالموں نے اپنے پاس سے احادیث وضع کر کے تعلیمات نبوی کو الجھانے کی کوشش کی مگر حفاظت الٰہیہ بھی دیکھ لو ایسے ایسے عظیم الشان پیدا فرمائے جن کی عمریں اسی فن کی نذر ہو گئیں اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا اسی حفاظت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دنیا میں اہل حق ہمیشہ رہیں گے ورنہ لوح محفوظ میں تو کتاب اللہ کو کوئی خطرہ نہیں حفاظت کی ضرورت تو دنیا میں ہے اور دنیا میں انسان بستے ہیں سو انسانوں میں الفاظ معانی کتاب اللہ کے درست الفاظ اور نبی پاکؐ کی صحیح تعلیم باقی رہے گی تب حفاظت کہی جا سکے گی تو اس کے لیے ضرور اس کے حامل انسان بھی ہوں گے اور اسی سب کے ساتھ ویزکیہم، اور پاک کر آن کو، ان کا تزکیہ کر دے ان میں کوئی ایسی بات نہ رہے جو اللہ کو پسند نہ ہو ان کے دل منور اور سینے روشن کر دے جو فیضان صحبت ہے کہ جو بھی آپؐ کے قریب ہوا یعنی ایمان کی نگاہ سے آپؐ کو دیکھا مرتبہ صحابیت پہ فائز ہو گیا اور یہ وہ منصب عالی ہے کہ ملا جن کو مل گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ولایت تو نصیب ہو سکتی ہے مگر صحابیت نہیں یعنی تزکیہ کا وہ مقام جو براہ راست فیض نبوی سے حاصل ہوا ممکن نہ رہا اگرچہ فیض منقطع نہ ہوا مگر بالواسطہ ہو گیا کہ صحابہ کی صحبت نے تابعی پیدا کیے اور انہوں نے تبع تابعین اور پھر دل سے دل روشن ہوتا چلا گیا اور سلاسل ولایت قائم ہوئے جو ہمیشہ قائم رہیں گے کہ لحافظون کی حفاظت الٰہیہ میں بالواسطہ تزکیہ

ہیں۔ یہ تزکیۂ باطن ہی تھا کہ جس نے مشرکوں سے موحدیت پرستوں سے بت شکن ڈاکوؤں سے غازی ظالموں سے ایثار پیشہ رہزنوں سے رہبر اور جاہلوں سے فاضل پیدا کئے۔ جن جیسے لوگ نہ چشم فلک نے ان سے پہلے پائے نہ بعد میں پانے کی امید رکھتی ہے اب یہاں چند چیزیں حاصل ہوئیں کہ تعلیم قرآن کے لیے تعلیم حدیث ضروری اور عمل بالقرآن والحدیث کے لیے تزکیہ لازم اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہر دور میں اصلاح کے لیے نہ بغیر نبیؐ کے محض تعلیم آئی اور نہ بغیر تعلیمات کے محض نبی یہ دونوں چیزیں جہاں میسر آئیں وہاں تزکیہ نصیب ہوا اور تزکیہ کے صدقے عمل کی راہیں کھل گئیں۔ بعض لوگوں نے محض پڑھنے پڑھانے کو دین جانا اور کاملین کی صحبت کی ضرورت محسوس نہ کی تو علم دین بھی ان کو دنیا کمانے کا ہی ذریعہ ہی نظر آیا اور بعض نے کتاب اللہ کی پرواہ نہ کی اور نہ محض علماو مشائخ کے پیچھے آنکھیں بند کر کے دوڑ لگا دی جو یہود و نصاریٰ کی مشابہت تھی اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ یہ دونوں راستے درست نہ تھے مقصد کو وہی لوگ پا سکے جنھوں نے ماہر علما اور تربیت یافتہ کامل مشائخ کی صحبت اختیار کی اور دونوں چیزوں کو ان کی اپنی اصل جگہ پر رکھا اور ان کی اہمیت کو سمجھا۔ یہاں یہ بھی واضح ہوا کہ تزکیہ اس باطنی طہارت کا نام ہے جو اطاعت رسول کا جذبہ پیدا کرے اگر کسی کی مجلس میں شعبدہ بازی حاصل ہو جائے اور احکام دین ہاتھ سے چلے جائیں تو یہ رہزن ہو گا رہبر نہیں راہبر وہی ہے جو مومن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن شفقت میں پہنچا دے جو خالص عقائد اور سنت کے مطابق اعمال تعلیم کرے جو دل سے اثا نکال کر عظمت الٰہی کو جاگزیں کرے جو نگاہ میں وہ وسعت دے کہ دونوں جہانوں کو دیکھ رہی ہو جو یہ قابلیت عطا کرے کہ انسان بتا دنیا میں ہو اور تعمیر آخرت کی کر رہا ہو۔ اور یہ بھی حاصل ہوا کہ ولایت کے لیے کوئی خاص قوم یا صنف مخصوص نہیں بلکہ ہر مومن کو چاہیئے حاصل کرے جب صحابی جس کی جوتی کی گرد ولی نہیں پا سکتے بننے کے لیے کوئی مرد ہونا یا عورت ہونا، عالم ہونا یا نہ ہونا کسی قوم یا خاندان کا ہونا شرط نہیں تو ولائیت کے لیے کیوں ہو گا۔ جب وہاں دلی خلوص اور عملی اطاعت

ہی شرط ہے تو یہاں بھی یہی ہو گی غرض حصول تزکیہ باطن کے لیے کاملین کی صحبت تلاش کر کے اس سے استفادہ کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے مگر شرائط مندرجہ بالا کے ساتھ یہ جو بات چل نکلی ہے کہ چند مخصوص افراد تو ولایت خاصہ حاصل کر سکتے سب مسلمان نہیں یہ بھی درست نہیں بلکہ ہر انسان میں قدرتی ملکہ موجود ہوتا ہے اگر کافر بھی ایمان لے آئے اور کامل کی صحبت اختیار کرے تو اللہ کے فضل کو پا سکتا ہے اور ولایت خاصہ حاصل کر سکتا ہے اور جب ہم علمائے متقدمین کی سوانح پڑھتے ہیں یہ بھی بات ملتی ہے کہ فلاں جگہ سے تعلیم مکمل کی اور پھر شیخ کی تلاش میں فلاں حضرت کے پاس پہنچے اور استفادہ کیا مگر آج یہ حال ہے کہ چند ابتدائی رسالے پڑھے فاضل بن بیٹھے اور لگے تصوف و سلوک کی تردید کرنے یہ ہیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا۔ دوسری طرف ایک طبقہ نے علم دین اور دین پر عمل تک غیر ضروری قرار دے دیا صرف پگڑی باندھی اور کسی گدی پر براجمان ہو گئے عمر عزیز مرغ لڑانے میں بسر کی اور لاکھوں افراد کی قسمت سے کھیل گئے۔ اللہ کی پناہ سو یہ سب حال ارشاد فرما کر واضح فرما دیا کہ دین ابراہیمی اور اسوۂ ابراہیمی کیا ہے اور انہوں نے کس طرح سچے جانشینوں کے لیے دعا کی اس کا مظہر رسول کامل اور جماعت حقہ کون ہے۔ اور تم محض دعویٰ کرنے والے کیا کر رہے ہو اور کہاں تک درست ہو۔ اور حضرت خلیل اللہ نے جن مقاصد کی تکمیل کے لیے دعا فرمائی ان کے لیے کون مبعوث ہوا کس طرح ان کی تکمیل فرما رہا ہے اور وہ جماعت حقہ کون ہے جو صحراؤں سے اٹھی اور اکناف عالم اس کی برکات کو عام کر دیا بفضل اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہم اجمعین ٥

رکوع ۱۶:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ
اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ○ اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ
مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ تِلْكَ اُمَّةٌ
قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى
تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○
قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَاۤ
اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ○ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً
وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا
وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ
مُخْلِصُوْنَ ○ لا اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ ءَأَنتُمْ
أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ
اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ع

ترجمہ :

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو دنیا میں منتخب کیا (اور اسی کی بدولت) وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ جب کہ ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔ اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب (علیہ السلام) بھی میرے بیٹو اللہ تعالیٰ نے اس دین (اسلام) کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا کیا تم (خود) اس وقت موجود تھے جس وقت یعقوب (علیہ السلام) کا آخری وقت آیا (اور جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے (مرنے کے) بعد کس چیز کی پرستش کرو گے انہوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت) ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر چکی۔ ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی اور یہ (یہودی و نصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تم بھی راہ پر پڑ جاؤ گے آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم (یعنی اسلام) پر رہیں گے جس

میں کجی کا نام نہیں۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) مشرک بھی نہ تھے (مسلمانو) کہدو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوبؑ کی طرف بھیجا گیا اور (حکم و معجزہ) پر بھی جو حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہ السلام کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان حضرات میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ (حق) پر لگ جاویں گے اور وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ (ہمیشہ سے) برسر مخالفت ہیں ہی تو (سمجھ لو کہ) تمہاری طرف سے عنقریب ہی نبٹ لیں گے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں ہم (دین کی) اس حالت پر رہیں جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور دوسرا کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور (اسی لیے) ہم اسی کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے (اب بھی) حجت کئے جاتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا (سب کا) رب ہے اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کے لئے اپنے دین کو (شرک وغیرہ سے) خالص کر رکھا ہے۔ یا کہے جاتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ (میں جو انبیاء گزرے ہیں یہ سب حضرات) یہود یا نصاریٰ تھے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ۔ اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفاء کرے جو اس کے پاس من جانب اللہ پہنچی ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں۔ یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی۔

اسرار و معارف

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اسوۂ حسنہ آپ کا مذہب آپ کے عقائد اور اعمال انسانیت کی معراج ہیں اور ان سے پھرنے والا شخص وہی ہو سکتا ہے جو انسانی قدروں سے بالکل ہی واقفیت نہ رکھتا ہو اور انتہائی درجہ کا احمق ہو ورنہ جسے فطرت سلیم نصیب ہوگی وہ ان کمالات کو اپنانے کی کوشش کرے گا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام ایسی مبارک ہستی ہیں کہ ہم نے انہیں دنیا میں نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر اپنے لیے چن لیا اور آخرت میں بھی وہ اللہ کے مقرب و مقبول بندوں میں سے ہیں تو ایک ایسا کردار جو دو عالم میں سربلندی و سرفرازی عطا کرے اور جو قرب الٰہی کا سبب اور وسیلہ بنے اسے کوئی ہوش مند انسان تو چھوڑنے سے رہا بلکہ جسقدر دانا تر ہو گا اسی قدر اس کو زیادہ عزیز رکھے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا حال دیکھو اذقال لہ ربہٗ اسلم قال اسلمت لرب العٰلمین ۱۳۱ کہ جب اس کے پروردگار نے فرمایا کہ راہ تسلیم یعنی کلی اطاعت کی راہ اپناؤ تو انہوں نے عرض کی میں نے رب العٰلمین کی اطاعت اختیار کی۔ یعنی اس درجہ حق اطاعت ادا فرمایا کہ یہ تک عرض نہ کیا کہ اللہ تیری اطاعت اختیار کر رہا ہوں بلکہ اللہ کی شان ربوبیت کو پیش نظر رکھا اور عرض کی کہ پروردگار عالم یعنی سارے جہانوں کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کرنے والے کی اطاعت اختیار کی اس میں نہ صرف اللہ کی تعریف و تسبیح بیان کی بلکہ خود توفیق اطاعت بھی اس کی طرف منسوب کر دی کہ میرا یہ کمال کہ مجھے تیری اطاعت کی توفیق ارزاں ہوئی بھی تیرا ہی احسان ہے یعنی کمال معرفت تو یہ ہے کہ اپنے کمالات کو بھی احسان باری جانے اگر اپنی کسی خوبی کو اپنا کمال سمجھتا ہے تو ہنوز اس گلی سے بیگانہ ہے اور لذت معرفت سے نا آشنا یہ کام خبط کا ہے کہ چند سجدے اگر کر ہی گزریں تو اپنے آپ کو اعلیٰ مناصب کا حقدار خیال کرتے ہیں اور ٹھنڈی سانس لے کر کہتے ہیں اجی ہم نے بس محنت کرنے میں حد ہی کر دی۔ بھئی یہ سجدوں کی توفیق بھی کسی کی عطا ہے نیز معیار کمال کشف و کرامات ہی نہیں بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ انسان کسقدر تسلیم و رضا کا جذبہ پا سکا اس میں جس قدر ترقی نصیب ہوئی اتنا ہی شکر زیادہ

ادا کرے اور استقامت کی دعا کرتا رہے اگر یہ حاصل نہیں اور محض چند خوابوں یا اس نوعیت کی دوسری باتوں کو کمال سمجھ رہا ہے تو درست نہیں ہاں کشف بھی کرامت ہے اگر اطاعت کے ساتھ نصیب ہو الا فلا۔ کہ کشف عالم بالا یا عالم غیب کا جس میں برزخ آخرت آسمانوں سے بالاتر کی دنیا شامل ہے کافر کو نصیب نہیں لا تفتح لھم ابواب السماء لیکن دنیا میں ایک جگہ بیٹھ کر دوسری جگہ کی خبر کر دینا انسان کو دیکھ کر اس کی گذشتہ زندگی کے واقعات بتا دینا یا آئندہ کے بارے اندازے لگانا یا اس طرح کی باتیں جو ہیں اس کے لیے تو ایمان بھی شرط نہیں کافر بھی حاصل کر سکتا ہے اور جہلا میں عموماً اسی قبیل کی باتیں مشہور بھی ہوتی ہیں اور وہ اسی کو کشف کہتے ہیں سو اصل کمال حصول جذبہ تسلیم ہے کہ صدق دل سے اللہ کی مکمل اطاعت کا جذبہ پیدا ہو یہی کمال ہے حضرت ابراہیم کا تمام انبیاء اور صلحاء کا اسی کی ان سے تحصیل بھی مطلوب ہے اور پیران کے نزدیک۔ کسقدر قیمتی سرمایہ ہے وہ یوں دیکھو کہ ووصی بھا . . . . . وانتم مسلمون ۱۳۲ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد خود حضرت یعقوب علیہ نے اولاد کو وصیت فرمائی تھی دم واپسیں بچوں کو بلا کر تاکید کی تھی یہ وہ وقت ہے کہ جب سب سے قیمتی متاع اگر کوئی پاس ہو تو اس کے بارے اولاد کو سمجھاتے ہیں تو ان حضرات کے نزدیک سب سے اعلیٰ دولت یہی دین و ایمان اسلام اور جذبہ تسلیم و رضا تھا کہ اولاد کو وصیت فرمائی اے بیٹو یہ دین برحق اللہ نے تمہارے لیے چن لیا ہے اور پسند فرما لیا ہے اب اس کا حق یوں ادا کرنا کہ موت بھی آئے تو اسلام اور ایمان پر آئے زمین ٹل جائے آسمان پھٹ جائے زمانہ زیروزبر ہو جائے مگر خبردار دین حق کا دامن ہاتھ سے نہ جائے اور اللہ کی اطاعت سے قدم باہر نہ نکلے میاں تم ہو کہ دعوے ابراہیمی ہونے کا ہے اور اطاعت الٰہی کے مقابلے میں اپنی خواہشات کی تکمیل عزیز رکھتے ہو اور حضرت یعقوب جن کے نام نامی سے اس دور کے علماء منسوب ہیں اور بنی اسرائیل کہلاتے ہیں ذرا ان کا حال بھی سنو ام کنتم شھداء . . . . . لہ مسلمون ۱۳۳ کیا تم پاس تھے جبکہ تم تو پاس نہ تھے اگر تم موجود ہوتے تو جان سکتے چلو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ جب یعقوب علیہ السلام کا وقت آخرت آیا اور سفر آخرت کی تیاری

ہوئی تو بیٹوں کو جمع فرمایا۔ حضرت ابراہیم نے تو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید میں فرمائی تھی
انہوں نے استفہامی انداز اپنایا اور بیٹوں سے پوچھا ماتعبدون من بعدی۔ کہ وہاں
ان کے بیٹے تو اسماعیل واسحٰق علیہم السلام نبی تھے مگر یہاں صرف حضرت یوسف
علیہ السلام نبی تھے باقی سارے تو نہ تھے تو انہوں نے ان سے زیادہ تاکیدی رنگ اپنایا
اور بیٹوں پر سوال کیا کہ تم تو جانتے ہیں مگر یہ کہو میرے بعد تمہارا معبود کون ہوگا اور تم کس
کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگے تو انہوں نے عرض کیا ابا جان ہم اسی کی عبادت کریں گے۔ جو
آپ کا بھی معبود ہے اور آپ کے آباؤ اجداد کا بھی ابراہیم واسحٰق واسماعیل علیہم السلام کا اور
وہی برحق معبود ہے اور وحدہٗ لاشریک بھی ہے وہ ازل سے مستحق عبادت ہے اور ہمیشہ
کے لیے اسی کی شان قائم ہے اور ہم بھی اسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور اسی کے
فرمانبردار ہیں۔ دراصل اسلام ہی دین حق ہے اور ہمیشہ سے جب سے دنیا پہ انسان آیا ہے
یہی دین حقہ رہا ہے۔ اگرچہ مختلف ادوار میں نام بے شک مختلف ہوں دین موسوی یا عیسوی
کہا جائے یا یہودی ونصرانی ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں کہ توحید باری آخرت،
حشر ونشر جنت ودوزخ فرشتے وغیرہ یا جملہ اخبار اور عقائد ایک ہی ہیں جو تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ
والسلام نے تعلیم فرمائے ادیان میں اگر تفاوت ہے تو عبادات میں ہے اوقات عبادات
یا طریق عبادات میں ہے معبود ایک ہی ہے اور یہ فرق بھی کمال اطاعت ہی کو ظاہر
کرتا ہے کہ جب اور جو حکم ملا اس کی تعمیل کی اور حق اطاعت اسلام میں نبی آخر الزمان
دے رہے ہیں جو تمہارے حلق سے نہیں اترتی اور تمہارا خیال ہے کہ تمہیں صرف اسرائیلی
یا ابراہیمی ہونے کا دعوے ان کے اعمال خیر میں حصہ دار بنا دے گا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ
تلک امۃ قد خلت .... عما کانوا یعملون ﴿۱۳۴﴾ یہ ایک جماعت تھی ایک طبقہ تھا مقدس
بزرگوں کا گروہ تھا چلا گیا اس چند روزہ چمن کی زینت بنا اسے رونق بخشی اور دار البقا کو سدھارا
تو جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے ان کی خوبیاں ان کی بھلائیاں
اور ان کے مجاہدے ان ہی کے لیے باعث اجر اور باعث رضا ہیں تمہیں تو وہ ملے گا۔

جو تم کرو گے. کیونکہ ان کے بارے تم جوابدہ بھی تو نہیں ہو یعنی اگر بزرگوں کی جگہ کسی کو جواب دینا پڑے تو کیا کہے گا یقیناً کہے گا اللہ میں تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوا تھا. اگر میرے پہلے بزرگوں نے کوئی غلطی کی ہے تو مجھے اس کی سزا ہرگز نہ دے جب یہاں یہ کلیہ جانتے ہو تو وہاں بھی یہی بات ہو گی کہ جن بزرگوں نے نیکیاں کی ہیں ان کا بدلہ بھی کرنے والے ہی پائیں گے ہاں تم ان کا اتباع کرو خود محنت کرو عقائد و اعمال میں ان کی اطاعت کرو تو بات بنے گی ورنہ نہیں نہ صرف خود کرو بلکہ ان کے اسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے اپنی اولاد تک کو دین پر لگاؤ اور اپنے اہل و عیال میں جذبہ تسلیم پیدا کرو۔ وقالوا کونوا ھودًا ...... وما کان من المشرکین ۱۳۵ اب ان کا دعویٰ ہے کہ دین حق یہودیت یا نصرانیت ہے اور دونوں اپنے اپنے حق پر ہونے کے مدعی ہیں اگرچہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کا اور نصرانی حضرت موسیٰ کا انکار کرتے ہیں مگر اپنی اپنی جگہ نہ صرف یہ دونوں بلکہ مشرکین بھی خود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو بتاتے ہیں. یہ ان کی شان امامت ہے کہ مشرک باوجود مبتلائے شرک ہونے کے ان کا احترام بجا لاتے تھے اور یہود و نصاریٰ خود کو ملت ابراہیمی کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے تو ان سے فرمایا کہ جو ہستی تمہارا مرکزی نکتہ ہونے کی حیثیت رکھتی ہے اور جس کے پیرو ہونے کے سب مدعی ہو وہ تو حضرت ابراہیم ہیں البتہ ان کی روش پر اتحاد ہو سکتا ہے مگر وہ تو ہرگز مشرک نہ تھے بلکہ کلیتہً راہ راست پر چلنے والے تھے. بعض لوگوں نے دعوے تو نیکوں اور سلف صالحین کی محبت کا کر رکھا ہوتا ہے مگر عقائد و اعمال اپنی طرف سے وضع کر لیے ہوتے ہیں. یہاں یہ شہادت ملتی ہے کہ ان کو بزرگوں سے کوئی نسبت نہیں اگر واقعی نسبت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو عقائد و اعمال میں ان کا اتباع اختیار کریں. اگر یہ بات اللہ مسلمانوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے تو بے شمار اختلافات ختم ہو سکتے ہیں. اہل حق کو مناسب نہیں کہ باطل کی طرف جھکیں بلکہ حق یہ ہے کہ اس طرف کے لوگوں کو حق کی طرف بلایا جائے - قولوا آمنا باللہ ...... ونحن لہ مسلمون ۱۳۶ ان سے کہیئے کہ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ سب مسلمان جملہ صحابہ کرام جو سب سے پہلے مخاطب وحی تھے اور جب یہ آیات نازل ہوئیں

تو وہی لوگ موجود تھے کہ ہم تو اللہ پہ ایمان رکھتے ہیں اس کو معبودِ حقیقی اور واحدہٗ لاشریک جانتے ہیں اور جب اسے حاکم مطلق تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کے نازل کردہ کلام سے مجال سرتابی نہیں جو اس کی طرف سے نازل ہوتا ہے تسلیم کرتے ہیں نہ صرف اب بلکہ جب بھی اور جس پر بھی نازل ہوا ان تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کی کتابوں سمیت برحق تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ حضرت ابراہیم ہوں یا اسمٰعیل حضرت اسحٰق ہوں یا یعقوب علیہم السلام یا ان کی اولاد میں سے مختلف انبیاء کرام یا موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم تو سب کی نبوت کو حق مانتے ہیں۔ اور کسی میں تفریق نہیں کرتے کیونکہ ہم تو اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے اب اس کے کسی نبی سے مجال سرتابی نہیں نہ اس کے حکم سے خلاف ہو سکتا ہے اور

فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا اگر یہ ایمان لے آئیں تمہاری طرح تو ہدایت پا گئے اور اگر یہ معیار پورا نہ کر سکیں تو پھر ضد پر یہ لوگ ہیں اگرچہ تعداد میں بہ زیادہ یا اسباب دنیا میں بہ مضبوط بھی ہوں پھر ان کی ضرورت نہیں اور آپ کی طرف سے اللہ ان سے نپٹ لے گا۔ کہ وہ تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ یہاں ایمانِ صحابہ کو معیار ایمان و حق پرستی قرار دیا ہے اور اگرچہ اس وقت کے مخاطب تو مقامی لوگ تھے مگر قرآن اور اس کی تعلیمات ہمیشہ کے لیے ہیں تو ہمیشہ کے لیے معیار حق بھی حضرات صحابہ کرام ہی ہوں گے اور ان کے خلاف کرنے والا محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کو چھوڑنے والا ہو گا اللہ کا علم کامل ہے وہ خود خالق ہے اس نے ان کو بنایا ان کو وہ معیار صداقت و حق پرستی ودیعت فرمایا کہ انہیں رفاقت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند فرمایا اور انہیں ہمیشہ کے لیے حق کی کسوٹی قرار دیا اب اگر خدانخواستہ کسی کو ان سے اس قدر اختلاف ہے کہ وہ خود کو مسلمان جانتا ہے اور ان کو معاذ اللہ کافر تو یہ کفر اس کی طرف لوٹے گا کہ وہ حقیقتاً حق پر ہیں سو ایسا شخص کافر ہو گا یا کوئی انہیں عادل نہیں سمجھتا تو ظالم وہ خود ہو گا وہ عادل ہیں وعلیٰ ہذا۔ چونکہ اللہ نے ان کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے اور ابھی آگے اہل کتاب پر یہ اعتراض گزرا ہے کہ تم مدعی تو حق پرستی کے ہو تمہارے کردار سے اس کی تائید نہیں ہوتی تو معاذ اللہ اگر صحابہ کا کردار معیاری نہ ہوتا تو اللہ کریم انہیں بھی معیار حق

نہ گرداننا اس لیے ایسا سوچنا مناسب نہیں کرچی یہ تو عقیدہ عقیدہ کی بات ہے صرف اس
سے تعامل صحابہ کا عدل ثابت کیسے ہوا بھی ذرا مثل بما انتم بہ پہ پھر غور کرو کیا ایمان بغیر
عمل کے اللہ کے ہاں معیاری ایمان ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اور پھر ان کی مخالفت پہ یہ
وعید کہ فسیکفیکھم اللّٰہ یعنی اے اللہ کے نبی آپ کی طرف سے اللہ ان لوگوں سے
سمجھ لے گا جو آپ کے صحابہ جیسے یا ان طرح آپ خادم نہیں بن سکتے جضرت عثمان
ذی النورین معدن الحیا والایمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ جب ظالموں نے ہیلا وار کیا تو
چونکہ آپ تلاوت فرما رہے تھے خون اسی لفظ مبارک پہ گرا۔ اور اس مظلوم شہید سے
بعد برسوں خون کی ندیاں بہتی رہیں اور ایک وبال عظیم آیا کہ محتاط اندازے کے
مطابق ستر ہزار افراد بعد کے برسوں میں قتل ہوئے سو یہ بات واضح ہے کہ جتنا کسی کو
صحابہ سے اختلاف ہوگا اسی قدر وہ غضب الہٰی کی زد میں ہوگا اعاذنا اللہ منہا۔ ان سے کیسے
لیے کر صبغۃ اللہ۔ ومن احسن من اللہ صبغۃً ونحن لہ عابدون ۱۳۸ اگر محض کپڑے رنگنے
سے مذہب نہیں بنتا یا جیسے نصاریٰ پیدا ہونے والے بچے کو رنگدار پانی میں ڈبو کر سمجھ لیتے کہ
اب نصرانی ہوگیا یہ بات درست نہیں بلکہ رنگ تو اللہ کا ہے جو عقائد و نظریات اعمال و کردار
سے جھلک رہا ہو۔ انسان کی زندگی سے ہویدا ہو جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
کی زندگیوں سے تھا کہ انہیں کو حکم ہو رہا ہے کہ ان سے کہو ہمارے شب و روز دیکھو ہماری
صلح اور جنگ کو پرکھو ہمارے کاروبار اور سیاست کو دیکھو تمہیں ہر جگہ ہر حال میں اللہ کا
رنگ نظر آئے گا جس سے بہتر کوئی رنگ ہو نہیں سکتا اور ہم تو اس کے دست بستہ خادم ہیں
ہمارا مقصد حیات اس کی عبادت اور ہر گام پہ اس کی اطاعت ہے یہاں تمام فرق باطلہ
کی تردید ان چند مبارک الفاظ میں کر دی گئی ہے جیسے کسی نے ذات و صفات باری میں یا انبیاءؑ
علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یا ملائکہ کے وجود میں کسی طرح کمی بیشی کی مردود ہو گا کہ وہ
دور رسالتؐ اور عہد صحابہ میں مفقود ہے نہ انبیاء کو خدا کی صفات میں شریک کرے نہ ان
کی عظمت شان میں فرق آئے اسی طرح کسی نئے ظلی یا بروزی نبی کا اعتقاد صحابہ میں موجود نہیں
تو ایسا اعتقاد مردود ہوگا یا حشر و نشر میں کھینچ تان کر کے کہ حشر اجساد کی بجائے حشر روحانی

اور عذاب وثواب روحانی یا میزانِ اعمال وغیرہ میں باطل تاویلیں کرکے یہ سمجھنا کہ دین خدمت کی ہے درست نہیں بلکہ آخرت کے تمام حالات واقعات جس طرح قرآن وسنت میں موجود ہیں ان پر بغیر تاویلات کے ایمان لانا ہی صحابہ کی موافقت اور مقبولیت کی دلیل ہے قل اتحاجوننا فی اللہ ...... ونحن لہ مخلصون ۱۳۹ بلکہ ایسا کرنے والوں سے فرما دیجیے کہ تم اللہ کے معاملے میں ہم سے کٹ حجتی کرتے ہو جو ہمارا پروردگار ہے جس کی ربوبیت کے ہم قائل ہیں اور جس کے احکام سے سرتابی ہماری مجال نہیں مگر کھاتے تو تم بھی اسی کا ہو رب تو تمہارا بھی وہی ہے یاد رکھو ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تم اپنے کئے کا پھل پاؤ گے جب کہ ہم سارے کام خلوص دل سے اس کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور تم محض

دنیا میں اپنا بھرم رکھنے کے لیے حجت بازی کر رہے ہو اور یہ تم کہتے ہو کہ ام تقولون ان ابراھیم ...... وما اللہ بغافل عما تعملون ۱۴۰ کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی یا نصرانی تھے تمہارا علم زیادہ معتبر ہے یا اللہ خوب جانتا ہے جس نے بذریعہ وحی انکا ملتِ اسلامیہ پہ ہونا ثابت کر دیا ہے اور تم تو وہ ظالم ہو جنھوں نے اللہ کی اس شہادت کو جو تمہارے پاس ہے چھپا رکھا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا زمانہ مبارکہ آپ کا حلیہ شریف آپ کی تعلیمات اور صحابہ کرام کے بارے صاف اور واضح دلائل تمہاری کتابوں میں موجود ہیں۔ جن کو تم خود محض دنیا کے لالچ میں نہ صرف قبول کرنے سے اعتراض کرتے ہو بلکہ دوسروں تک پہنچنے سے بھی روکتے اور لوگوں سے چھپاتے ہو تو جب اللہ کے اس عظیم رسول سے جو تمہارے سامنے تشریف رکھتے ہیں تمہارا یہ سلوک ہے تو جو حضرات سے تشریف لے جا چکے ان کے بارے غلط بیانی کرنے سے کب چوک سکتے ہو مگر یاد رکھو اللہ تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہے۔ تلک امۃ قد خلت ...... ولا تسئلون عما کانوا یعملون

یہ ان مقدس بزرگوں کی ایک جماعت تھی جو گزر چکی اپنا فریضہ بجا لاکر تشریف لے جا چکے ان کی اچھائی ان کے لیے ہے۔ تمہیں وہی ملے گا جو تم کروگے مگر ان کاموں کی تم سے پوچھ بھی تو نہ ہوگی ان کی

طرف سے تم جو ابدہ بھی تو نہیں ہو پھر ان کی اچھائیوں کے وارث کہاں سے ٹپک پڑے۔ ہاں ان کا عقیدہ اور عمل اپناؤ اور اس پر ثابت قدم رہو ورنہ محض دعویٰ ان کی محبت کا اور تکمیل خواہشِ نفس یہ چالاکی اللہ کے ہاں نہ چل سکے گی۔ وآخر دعوانا اَنِ الحمدللہ رب العلمین۔

۲۵ جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ